ماہنامہ

ہمدرد

نونہال

اگست ۱۹۸۸

نونہالانِ وطن کی تن درستی کا ایک اور نکتہ!

اچھی صحت کا ایک نکتہ یہ ہے کہ مسوڑھے صحت مند ہوں تاکہ دانت مضبوط ہوں۔
دانت صاف ہوں تاکہ وہ موتیوں کی طرح چمکیں۔

تن درستی کا ایک اور نکتہ یہ ہے کہ ہر دن صبح اٹھتے ہی اور ہر رات سونے سے پہلے
نونہال ٹوتھ پیسٹ سے دانتوں کو صاف کریں۔

سونف، پودینہ سے بنا ہوا، اور گلِ آب میں بسا ہوا۔

ہمدرد
نونہال ٹوتھ پیسٹ
نازک دانتوں کے لیے نازک ٹوتھ پیسٹ

انسان دوست، جہاں دوست

ہمدرد
ہم خدمت خلق کرتے ہیں

فون: 616001 سے 616005 (پانچ لائنیں)

ہمدرد نونہال

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

ذی الحجہ ۱۴۰۸ ہجری
اگست ۱۹۸۸ عیسوی
جلد ۲۶
شمارہ ۸

فی شمارہ ۵ رُپے
سالانہ ۵۵ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۹۱ رُپے

مجلسِ ادارت

صدر مجلس: حکیم محمد سعید
مدیر اعلا: مسعود احمد برکاتی
مدیرہ اعزازی: سعدیہ راشد

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ
ناظم آباد، ـــــ کراچی ۱۸

ISSN 0259-3734

آزادیِ وطن زندگی ہے
غلامی موت ہے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا ہے

جاگو جگاؤ — جناب حکیم محمد سعید — ۳

پہلی بات — مسعود احمد برکاتی — ۴

خیال کے پھول — ننھے گل چیں — ۵

قربانی — حکیم ابراہیم شاہ — ۶

برسات (نظم) — محترمہ وحیدہ نسیم — ۹

پرانا پنکھا — جناب میرزا ادیب — ۱۱

طرب کی روشنی میں — جناب حکیم محمد سعید — ۱۷

یہ گل خیال کے ہیں — نظم پارہ نقلی — ۲۱

فٹ بال — جناب ساجد علی ساجد — ۲۵

دھرتی پاکستان — سائرہ نواب — ۲۹

قائد اعظم (نظم) — عارف چغتائی — ۳۰

نیکی کا بدلا — صلاح الدین عباسی — ۳۱

ترانۂ عید — جناب تنویر پھول — ۳۵

گدھے کے کان — فاطمہ مسعود — ۳۶

دو خواہشیں — زاہدہ پروین — ۳۸

اور جن بھاگ گیا — جناب شفیع الدین نیّر — ۴۱

☐ کارٹون جناب مشتاق ۲۴ ☐ جنگلی حیوانات جناب ڈاکٹر منظور احمد ۵۳
☐ اخبارِ نونہال ننھے صحافی ۵۸ ☐ بڑی بات مجیب ظفر انوار ۵۹ ☐ ہمدرد انسائکلو
پیڈیا جناب علی ناصر زیدی ۶۵ ☐ تحفے باذوق نونہال ۶۹ ☐ نایاب خزانہ
جناب معراج ۷۳ ☐ افتتاح تجمل الیاس ۸۱ ☐ معلومات عامہ ۲۶۸ ادارہ
۸۳ ☐ ہلے اور مارے گئے ڈاکٹر غلیل احمد خاں ۸۵ ☐ صحت مند نونہال ادارہ
۸۸ ☐ مسکراتے رہو ننھے مزاح نگار ۸۹ ☐ نونہال مصور ننھے آرٹسٹ ۹۶
☐ نونہال ادیب ننھے لکھنے والے ☐ قارئین کی عدالت نونہال پڑھنے والے ۱۰۵
معلومات عامہ ۲۴۶ کے جوابات ادارہ ۱۱۰ ☐ اس شمارے کے مشکل الفاظ ادارہ ۱۱۲

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ناساس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

لالچ نے انسان کو پریشان کر رکھا ہے۔ ہر آدمی اس فکر میں مبتلا ہے کہ اس کو دولت مِل جائے، اس کو ہر سہولت میّسر ہو، ہر آرام مہیا ہو۔ اس فکر میں وہ اس قدر پریشان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں اس کو میسر ہیں اُن سے بھی وہ لطف اندوز نہیں ہوتا۔ بعض وقت تو ایسا لگتا ہے کہ قناعت دُنیا سے اُڑ گئی ہے۔

قناعت بجائے خود ایک نعمت ہے، کیوں کہ قانع (قناعت کرنے والا) کی زندگی بڑے سکون سے گزرتی ہے۔ اس کو جو کچھ میسر ہے وہ اسی میں خوش رہتا ہے اور آرام سے زندگی گزارتا ہے۔ لالچ سے بچنے، تھوڑے پر راضی ہونے اور زیادہ نہ چاہنے کو قناعت کہتے ہیں۔ جو آدمی قناعت کو اپنا طریقہ بنا لیتا ہے، حرص سے بچنے کی عادت ڈال لیتا ہے وہ دولت مند ہو جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ جس کے پاس جتنی دولت ہے وہ اتنا ہی پریشان ہے۔ وہ دولت کس کام کی جو آدمی کو پریشان کرے، جو سکون چھین لے۔

قناعت ہمارے بزرگوں کا طریقہ تھی، اسی لیے وہ بڑے اطمینان سے رہتے تھے۔ سادگی سے زندگی گزارتے تھے۔ لالچ کر کے اپنا سکون غارت نہیں کرتے تھے۔ ان کا کردار بلند اور اخلاق اعلا تھا۔ وہ دوسروں کو دیکھ کر اپنا طریقہ نہیں بدلتے تھے بلکہ دوسرے اُن کی پیروی کرتے تھے۔ ہم بھی اگر سادہ زندگی اور قناعت کو اپنالیں تو ہماری اکثر پریشانیاں دُور ہو جائیں گی۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

پہلی بات

شکریہ! بہت بہت شکریہ!

خاص نمبر آپ کو پسند آیا اور اتنا پسند آیا کہ ہمیں دوبارہ چھپوانا پڑا۔ وقت کم تھا اور اتنے سارے صفحات کا رسالہ چھاپنا اور پھر اس کی جلد بنانا اور پھر آٹو گراف بک بھی تیار کرنا آسان کام نہیں تھا، لیکن نونہالوں کا شوق اور جوش دیکھ کر سب نے جوش اور محنت سے کام لیا۔ ایک کے شوق سے دوسرے میں بھی شوق پیدا ہوتا ہے۔ ایک کا جوش دیکھ کر دوسرے بھی جوش میں آتے ہیں۔ بہرحال خاص نمبر کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کے لیے بڑی بھاگ دوڑ کرنی پڑی، پھر بھی کچھ نونہالوں کو انتظار کرنا پڑا۔ ہمیں اس کا احساس ہے، لیکن اس بار ہماری توقع سے بھی زیادہ خاص نمبر کی مقبولیت نے یہ صورت پیدا کی۔ بہرحال ابھی تک نونہالوں کے خط چلے آرہے ہیں۔ ہم اُن کو مزے لے لے کر پڑھ رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ محنت رائگاں نہیں جاتی۔

نظمیں بہت ساری جمع ہیں، اس لیے کچھ دن تو نونہال نظمیں بھیجنی بالکل بند کردیں اور یہ بات نہ بھولیں کہ آپ جس شاعر کی نظم بھیج رہے ہیں اس کا نام ضرور لکھیے تاکہ اس کا اور آپ کا دونوں کا نام لکھا جائے۔

بعض نونہال پتا لکھنا کیوں بھول جاتے ہیں؟ اس کی وجہ تو ان کو ہی معلوم ہوگی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کو جواب نہیں دیا جاسکتا۔ جب بھی کسی کو خط لکھیں سب سے پہلے اپنا نام پتا لکھیں اور ہمیشہ ہر خط میں لکھا کریں۔ یہ نہ سوچیں کہ پہلے خط میں پتا لکھ دیا تھا وہ موجود ہوگا۔ ضروری نہیں کہ پہلا خط موجود ہو۔ خط میں تاریخ لکھنی بھی ضروری ہے۔

باقی باتیں آئندہ۔ اب آپ تازہ شمارہ پڑھیے۔ یہ بھی کم دِل چسپ نہیں ہے۔

مسعود احمد برکاتی

خیال کے پھول

● **حضور اکرمؐ :** کسی یتیم کی کفالت کرنے والا شخص جنّت میں مجھ سے اتنا قریب ہوگا جس طرح یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں۔

مرسلہ: غلام نبی، لاہور

● **امام حسن بصریؒ :** جو شخص تم سے دوسروں کی بُرائی کرتا ہے وہ یقیناً دوسرے لوگوں سے تمھاری بُرائی بھی کرتا ہوگا۔

مرسلہ: ضیاء اسلام آفریدی، جیکب آباد

● **مولانا روم :** زیادہ قسمیں کھانے والا زیادہ جھوٹ بولتا ہے۔ مرسلہ: ربیعہ سلیم، کراچی

● **شیخ سعدیؒ :** جو شخص جواب دینے سے پہلے سوچتا سمجھتا نہیں اس کی اکثر باتیں غلط اور بے کار ہوتی ہیں۔ مرسلہ: عبدالغفور، لودھراں

● **فارابی :** دوسروں کا بھلا کرتے وقت یقین کرلو کہ تم اپنا بھلا کر رہے ہو۔

مرسلہ: گل شیر علی سنی، پشاور صدر

● **ابن زیدون :** دوست کا عیب اس سے چھپانا خیانت ہے اور دوسروں کو بتانا غیبت ہے۔

مرسلہ: حبیب الرحمٰن ہاشمی، تہکال پایان

● **کنفیوشس :** مناسب کیا ہے؟ یہ جان لینا لیکن اس پر عمل نہ کرنا ہمّت کی کمی کی علامت ہے۔

مرسلہ: عصمت مریم، ٹنڈوالہ یار

● **کارلائل :** توانائی کا ایک اصول ہے، جس کی وجہ سے چیزیں سمندر میں ڈوبنے کے بعد ایک خاص گہرائی کے نیچے نہیں جا سکتیں۔ لیکن کمینگی کے سمندر میں ہم جتنا گہرا ڈوبنا چاہیں اتنا ہی آسان ہے۔

مرسلہ: ثمینہ جبیں، کراچی

● **شیکسپیئر :** اُن لوگوں کو رائے دیجیے جو بُرے نہیں ورنہ آپ کی رائے ضائع ہو جائے گی۔

مرسلہ: عمران بیگ، کراچی

● **سینیکا :** جو شخص کسی دوسرے سے فائدہ اُٹھاتے وقت اس کا شکریہ ادا کرتا ہے وہ قرضے کی پہلی قسط ادا کرتا ہے۔

مرسلہ: سید علی ابرار، لطیف آباد

● **حکیم محمد سعید :** سچ بولنے کا مقصد نقصان پہنچانا یا فساد پیدا کرنا ہو تو یہ سچائی نہیں ہوتی۔ ایسے موقع پر چُپ رہنا زیادہ مناسب ہے۔

مرسلہ: ایاز اکرام، لانڈھی کراچی

قربانی

حکیم محمد ابراہیم شاہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والدِ گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چہیتے تھے۔ ابھی آپ بہت چھوٹے تھے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اور ان کی ماں حضرت ہاجرہ کو اپنے ساتھ لے کر اللہ کے حکم سے ملکِ شام سے ہجرت کی اور حجاز کے لق و دق ریگستان میں لے آئے۔ شام بہت خوب صورت ملک تھا۔ حجاز کے ریگستان میں تو ریت کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ یہاں شدید گرمی پڑتی تھی۔ دُور دُور تک پانی کا نام و نشان نہیں تھا۔ یہاں انسان تو انسان جانور بھی نظر نہیں آتے تھے۔ اس شدید گرم اور بنجر علاقے میں آپ اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیلؑ اور اپنی بیوی حضرت ہاجرہ کو اللہ کے حکم کے مطابق چھوڑ کر شام واپس آ گئے۔

ایک رات حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے چہیتے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہے ہیں۔ یہ خواب آپ کو مسلسل تین راتوں تک آتا رہا۔ آپ سمجھ گئے کہ اللہ کا حکم ہے کہ میں اپنے چہیتے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دوں۔ اُس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر نو سال تھی۔ آپ حجاز کے ریگستان میں گئے۔ اور حضرت اسماعیلؑ کو یہ خواب سُنایا۔ سعادت مند بیٹا اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لیے فوراً تیار ہو گیا۔ حضرت اسماعیلؑ نے صاف ستھرے کپڑے پہنے اور اپنے والد کے ساتھ اپنی قربانی پیش کرنے کے لیے چل پڑے۔

یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ جب شیطان نے دیکھا کہ نیک باپ اور سعادت مند بیٹا دونوں اللہ کی محبت میں اس قدر کھو چکے ہیں کہ بے دھڑک کسی خوف کے بغیر اللہ کی رضا کی خاطر قربان گاہ کی طرف چلے جا رہے ہیں تو اس سے عبادت و اطاعت کا یہ جذبہ اور ایثار و قربانی کا یہ عظیم الشان مُظاہرہ نہ دیکھا گیا۔ اس نے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو ورغلانا چاہا اور کہا کہ تم کیسے باپ ہو۔ اپنے پیارے سے بچے کو اپنے ہاتھ سے ذبح

کرتے لے جا رہے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا، "میں اپنے رب کا حکم پورا کر رہا ہوں۔ تم بیچ میں بولنے والے کون ہو؟"

شیطان سمجھ گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اسے پہچان لیا ہے۔ چناں چہ وہ حضرت اسماعیلؑ کو بہکانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے کہا: "دیکھو، تمھارا باپ کتنا بے رحم آدمی ہے۔ وہ تمھیں اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے لیے قربان گاہ لے کر جا رہا ہے۔ تم وہاں نہ جاؤ۔" حضرت اسماعیلؑ نے جواب دیا کہ میرے والد مجھے اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں۔ تم بیچ میں بولنے والے کون ہو؟ شیطان سمجھ گیا کہ یہاں اس کی دال نہیں گلے گی۔

قربان گاہ میں پہنچ کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو کروٹ کے بل لٹایا اور چھری ہاتھ میں پکڑ لی تو حضرت اسماعیلؑ نے اپنے والد محترم سے کہا، "آپ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ چھری چلاتے وقت میری صورت دیکھ کر آپ کے دل میں اولاد کی محبت جوش مارے اور آپ کے ہاتھ رُک جائیں اور میں اس عظیم سعادت سے محروم ہو جاؤں۔" آپ نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھنے کے بعد اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلائی لیکن گردن نہیں کٹی۔ آپ نے دوسری مرتبہ پوری طاقت سے چھری چلائی لیکن اس مرتبہ بھی اللہ کے حکم سے چھری کی تیز دھار بھی مستقبل کے پیغمبر حضرت اسماعیلؑ کی گردن کاٹنے سے عاجز رہی۔ تیسری مرتبہ جب حضرت ابراہیمؑ نے چھری چلائی تو گردن کٹ گئی اور گرم گرم خون بہنے لگا۔ حضرت ابراہیمؑ نے فوراً آنکھیں کھول کر دیکھا تو حضرت اسماعیلؑ بالکل صحیح سلامت آپ کے قریب کھڑے تھے اور فرش پر دُنبہ پڑا ہوا تھا جس کی گردن سے مسلسل خون بہ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں باپ اور بیٹے دونوں کا ایثار اور قربانی کا جذبہ قبول ہو چکا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دو پیغمبروں کے اس جذبے کو نہ صرف قبول فرمایا بلکہ اتنا پسند کیا کہ سارے مسلمانوں پر قیامت تک کے لیے یہ فرض کر دیا کہ وہ تمام لوگ جو قربانی کی طاقت رکھتے ہیں اس سنّت پر عمل کریں اور اس عمل کو انتہائی محبوب قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کو جانور کے خون، گوشت یا ہڈیوں کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ اصل چیز وہ

جذبہ ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، ایثار اور قربانی کا اظہار کیا جاتا ہے۔
ہر سال ذی الحجہ کی دس گیارہ اور بارہ تاریخ کو اونٹ، دنبے، بکرے اور گائے بھینس کی قربانی کی جاتی ہے۔ یہ عمل قیامت تک ایثار اور قربانی کے بے مثال واقعے کی یاد تازہ کرتا رہے گا۔ ہر سال دنیا بھر کے کونے کونے سے لاکھوں مسلمان اس عظیم قربانی کے واقعے کی یاد دُہرانے کے لیے مکّہ پہنچتے ہیں اور ارکانِ حج کی ادائی کے بعد قربانی کرتے ہیں۔
قربانی کرنے والا دراصل اپنے عمل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کی جان بھی اللہ کی راہ میں اسی طرح قربان ہے جس طرح وہ جانور قربان کر رہا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی قربانی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جاتی ہے، اس لیے قربانی دل کی خوشی اور آمادگی سے کیا کرو۔"
اللہ تعالیٰ دراصل ہر عمل میں انسان کی نیت دیکھتا ہے جو شخص نیک نیتی سے صرف اور صرف اللہ کے لیے قربانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قربانی قبول کر لیتا ہے۔

مرنے والے کی قدر

جب تک آدمی زندہ ہوتا ہے، خواہ وہ فاقوں مر رہا ہو، کوئی اس کی غم خواری نہیں کرتا۔ مصیبت کے دِنوں میں کوئی اس کے پاس تک نہیں پھٹکتا۔ اسے پیاس کی حالت میں کوئی پانی تک پلانے کی تکلیف نہیں اُٹھاتا، لیکن جب وہ دنیا سے چلا جاتا ہے تو وہی لوگ جو اس کو پانی تک نہ پلا سکے اب شربت پر اس کی فاتحہ دِلاتے ہیں اور اس کی روح کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ زندگی میں اگر وہ شخص پیوند لگے کپڑے پہننے پر مجبور ہو گیا تو یہ اس کی پروا نہیں کریں گے۔ لیکن مرنے کے بعد یہ ضرور چاہیں گے کہ اسے قیمتی کفن پہنائیں۔ جب تک کوئی شخص زندہ رہتا ہے لوگ بھولے سے بھی اسے یاد نہیں کرتے، لیکن جب وہ مَر جاتا ہے تو ہر شخص اس کا ذکر لے بیٹھتا ہے اور اس سے تعلق جتانے لگتا ہے۔

مرسلہ: ساجدہ سرور، کراچی

برسات

وحیدہ نسیم

دھوم مچاتے بادل آئے
رحم جھم رم جھم برکھا لائے

چُپکے سے سبزے کو جگایا
کلیوں کا منھ ہاتھ دُھلایا

جنگل اور کوہسار نہائے
بستی کے بازار نہائے

بچّے بھیگے ، بالے بھیگے
سارے پھیری والے بھیگے

آلوچے اور کیلے بھیگے
پھل والوں کے ٹھیلے بھیگے

دھوبی نائی سب گھر بھاگے
موچی جوتے لے کر بھاگے

ہاتھ پہ سارے ہاتھ دھرے ہیں
سڑکوں پر تالاب بھرے ہیں

پانی برسا پڑ پڑ پڑ پڑ
ہو گئی مٹی ساری کیچڑ

اے لو وہ بوچھاڑ بھی آئی
گھر کے اندر بارش لائی

اپنے گھر کی چھت تھی پرانی
رسنے لگا دیوار میں پانی

امّی جان کا بستر بھیگا
ابّا جان کا دفتر بھیگا

باہر کا جب چھجّا ٹپکا
بھابھی جان کا کمرا ٹپکا

ہو گیا گھر کا فرش بھی گیلا
ٹھنڈا ٹھنڈا سیلا سیلا

گھر گھر پانی گھر گھر کیچڑ
اندر کیچڑ باہر کیچڑ

سر پہ کتابیں اپنی اُٹھائے
چھتری سی کاپی کی بنائے

بارش سے یوں خود کو بچائے
ننھے میاں اسکول سے آئے

Everyone loves to eat

mayfair Toffees and Sweets

■ Milk Bon Bon ■ Orange Candies.
■ Coconut Candies. ■ Deluxe Toffees ■ Assorted Candies.
■ Tattoo Toffees ■ Honey Candies.

And now another
offer from the house of Mayfair

Milka Chew
Fruta Chew
Minta Chew

***mayfair* Bubble**

You will love it because it is the only juicy bubble that makes
big big Bubbles.

mayfair The Sweet Favourites.

AFI Asian Food Industries (Private) Limited.
Shernaz House, West Wharf Road, Karachi, Pakistan.
Phones: 201612, 201617 Cable: BONBON Telex: 25482 AFI PK

پُرانا پنکھا

میرزا ادیب

منگل کی شام کو اسلم کی سال گرہ ہوئی۔ سال گرہ کی اس تقریب میں اسلم کے قریب قریب تمام ساتھی شریک ہوئے اور جیسا کہ طریقہ ہے اس کے دوستوں اور عزیزوں نے رنگا رنگ تحفے دیے۔ یہ تحفے اس قدر زیادہ تھے کہ ساری میز بھر گئی تھی۔ یہ تحفے نہ صرف زیادہ تھے بلکہ خوب صورت بھی تھے۔ جب سب نے چائے پی لی تو میاں صاحب نے اسلم سے کہا، "اسلم بیٹا! سال گرہ تو ختم ہو گئی ہے۔ اب معلوم ہے تمھیں کیا کرنا ہے؟"

اسلم بولا، "معلوم ہے چچا جان! مجھے یہ بتانا ہے کہ یہ تحفے جو آج مجھے سال گرہ پر ملے ہیں ان میں وہ تحفہ کون سا ہے جو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔" میاں صاحب نے کہا۔

چند منٹ گزرے ہوں گے کہ اسلم تحفوں والے کمرے کے اندر جا کر ایک کھلونا اُٹھا لایا۔ یہ ایک بہت خوب صورت مور تھا۔ اسے اسلم کے ماموں جان کسی بیرونی ملک سے اس کے لیے لائے تھے۔ سب نے اسے دیکھا تھا اور انھیں یقین تھا کہ اسلم اسی کو سب سے زیادہ پسند کرے گا۔

"بہت اچھا، تمھارا انتخاب بالکل ٹھیک ہے۔ مجھے تمھاری پسند کا علم ہو گیا ہے۔ اب یہ مور لے جاؤ۔" اور اسلم خوش خوش مور لے گیا۔

چار دن بعد زبیر کی سال گرہ تھی۔ اس روز بھی یہی ہوا۔ تقریب ختم ہوئی تو میاں صاحب نے زبیر سے وہی کچھ کہا جو اسلم سے کہہ چکے تھے۔ زبیر تحفوں میں سے ایک ریل گاڑی لے آیا جو چابی دینے پر چھک چھک چلتی تھی اور کئی منٹ تک چلتی رہتی تھی۔

"تمھاری پسند بھی بہت اچھی ہے۔" میاں صاحب نے گاڑی دیکھ کر کہا۔

تیسری سال گرہ کسی لڑکے کی نہیں، ایک لڑکی کی تھی جس کا نام ثریا تھا اور یہ سال گرہ اکیس روز بعد آنے والی تھی۔ جو بچے اور لوگ ان تقریبات میں شامل ہوئے تھے وہ اب ثریا کی سال گرہ کا انتظار کرنے لگے تھے۔

عزیز بچو! تمھارے ذہن میں یہ خیال ضرور آیا ہو گا کہ سال گرہ تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ ہر سال گرہ پر بچوں کو تحفے بھی ملتے ہیں، مگر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سال گرہ ختم ہو جاتے تو کوئی بزرگ سال گرہ والے بچے سے یہ کہے، "بھئی! جو تحفہ تمھیں سب سے زیادہ پسند ہے وہ ہمیں دکھا دو۔" ان دو سال گرہوں پر ایسا کیوں ہوا ہے؟ کیوں ہے نا عجیب و غریب معاملہ۔

خیر، میں اس کی وجہ بتاتا ہوں۔

ایک محلّے میں یہ تین بچے رہتے تھے۔ اسلم، زبیر اور ثریا۔ ان کا آپس میں رشتہ بھی تھا۔ یعنی ایک دوسرے کے عزیز تھے۔ اور آپس میں دوستی تھی۔ تینوں اپنی اپنی سال گرہ مناتے تھے۔ اسی محلے میں ایک بزرگ میاں عالم علی بھی رہتے تھے۔ وہ تینوں کی سال گرہ کے موقع پر آتے تھے اور بڑی دل چسپی کے ساتھ ہر ایک کے تحفے دیکھتے تھے۔ اس مرتبہ انھوں نے کہا،

"میں بچّوں کی پسند کا اندازہ لگانا چاہتا ہوں۔ اب کے جو بچّہ اپنا بہترین تحفہ ہمیں دکھائے گا میں اسے اپنی طرف سے بھی ایک خوب صورت تحفہ دوں گا۔"

طے یہ ہوا تھا کہ تینوں کی سال گرہیں ختم ہو جائیں گی اور ہر بچہ اپنا اپنا بہترین تحفہ دکھا چکا ہو گا تو میاں صاحب خود فیصلہ کریں گے کہ کس کا تحفہ واقعی بہترین ہے اور وہ اس بچے کو اپنا انعام دیں گے۔ تو اسلم اور زبیر اپنی اپنی سال گرہ کے بعد اپنا پسندیدہ تحفہ دکھا چکے تھے۔ اب سال گرہ ہونے والی تھی ثریا کی۔

اللہ اللہ کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور ثریا کی سال گرہ کا دن آ گیا۔ اس شام بچوں اور بڑوں کی تعداد پہلی دونوں تقریبات کے مقابلے میں زیادہ تھی اور یہ اس وجہ سے کہ اس تقریب کے ختم ہونے پر میاں صاحب کو اپنا فیصلہ سنانا تھا۔ یعنی تینوں سال گرہوں میں کس کا تحفہ بہترین ہے اور کون انعام کا حق دار ہے۔ ثریا کے عزیزوں اور سہیلیوں نے کوشش کی کہ اچھے سے اچھے تحفے دیں تاکہ اسے اپنے بہترین تحفے کے انتخاب میں ہر طرح سہولت حاصل ہو جائے اور میاں صاحب اس کی پسند کے تحفے کو مقابلے میں اوّل نمبر قرار دے کر انعام دیں۔

ثریا کی سال گرہ میں بڑی دھوم دھام تھی۔ ثریا کے گھر والوں نے دعوت کا بھی بہت اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ کھانے پینے کی چیزیں بڑی تعداد میں تھیں۔ تحفوں میں بھی برابر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ہر ایک نے اپنی طرف سے بہت خوب صورت تحفہ دیا۔ جن لوگوں نے ان تحفوں کو دیکھا تھا وہ سوچ رہے تھے کہ ثریا کس تحفے کو باقی تمام تحفوں پر ترجیح دے گی۔ اس کے لیے اپنی پسند کا اظہار مشکل ہو جائے گا۔

جب تقریب ختم ہوئی تو ثریا کی بے تکلف سہیلیاں تحفوں والے کمرے میں چلی گئیں اور اسے تحفے کے انتخاب میں مشورہ دینے لگیں۔ طلعت جو ثریا کی سب سے پرانی سہیلی تھی اس نے ثریا کو مشورہ دیا، "ثریا! دیکھو، اسلم اور زبیر نے بڑے خوب صورت تحفوں کو پسند کیا تھا۔ تم ان سے پیچھے نہ ہونا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اس گھڑی کو پسند کر لو اور میاں صاحب کو بتا دو کہ یہ گھڑی میرا بہترین تحفہ ہے۔"

وہ گھڑی جو طلعت نے پسند کی تھی بے حد قیمتی اور خوب صورت تھی۔ اس کے اندر ایک ننھی سی پری ناچتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ جو ناچتے ناچتے رُک جاتی تھی تو وقت ایک گھنٹہ یا آدھا گھنٹہ زیادہ ہو جاتا تھا۔ گویا یہ پری گھڑی کی سوئیوں کے اشاروں پر ناچتی رہتی یا رُک

جاتی تھی۔ ثریا کی دوسری سہیلیوں نے بھی طلعت کی تائید کر دی تھی۔ یہ سب سہیلیاں اپنی طرف سے ثریا کا مسئلہ حل کر چکی تھیں اور انھیں یقین تھا کہ جب میاں صاحب پوچھیں گے کہ ثریا لاڈ اپنی پسند کا تحفہ تو وہ فوراً کمرے کے اندر جا کر یہی گھڑی اٹھا کر باہر لے آئے گی اور میاں صاحب سے ان کا بہترین تحفے والا انعام حاصل کرے گی۔ طلعت نے دوسروں کو بھی بتا دیا تھا کہ ثریا گھڑی کے سوا اور کچھ نہیں لائے گی۔ یہ خبر میاں صاحب کو بھی ہو چکی تھی۔

جب سب بیٹھ گئے تو میاں صاحب نے ثریا سے مخاطب ہو کر کہا،

"ثریا بیٹی! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے وہ خوب صورت گھڑی پسند کی ہے جو تمھیں تمھارے چچا نے دی ہے۔ لے آؤ یہ گھڑی۔"

ثریا نے جواب دیا، "چچا جان نے جو تحفہ دیا ہے وہ بے حد پیارا ہے اور میں ان کی بہت ممنون ہوں مگر۔۔۔"

"مگر کیا ثریا؟" میاں صاحب نے پوچھا۔

"میرا بہترین تحفہ اور ہے۔"

"اور ہے۔" طلعت اور اس کی سہیلیوں کے منھ سے بے اختیار نکل گیا۔ نزہت نے طلعت کے کان میں کہا، "گھڑی سے بڑھ کر اور کیا تحفہ ہو گا!"

طلعت بڑی حیران تھی، بولی، "پتا نہیں اور کیا تحفہ ہو سکتا ہے!"

"گھڑی بہترین تحفہ نہیں ہے ثریا؟" میاں صاحب نے کہا۔

"جی نہیں، میری نظر میں کوئی اور چیز ہے۔"

"تو بیٹی! وہ چیز لے آؤ۔"

ثریا اُٹھی اور برابر والے کمرے کے اندر چلی گئی۔ سب اس کا بڑی بے تابی سے انتظار کرنے لگے۔ ان کی نگاہیں کمرے کے دروازے پر جمی تھیں۔ چند لمحوں کے بعد ثریا دروازے پر دکھائی دی مگر یہ کیا؟ اس کے ہاتھ میں تو ایک پُرانا پنکھا تھا۔

"ہیں! یہ کیا؟"

طلعت اور دوسری لڑکیوں کو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ باقی لوگ سب حیران

تھے کہ اس لڑکی نے کیا کیا ہے۔ سارے قیمتی تحفے چھوڑ کر ایک پرانا پنکھا اُٹھا لائی ہے۔ ثریا کے اپنے گھر والے بھی سوچنے لگے تھے کہ ثریا کو آج کیا ہو گیا ہے۔ میاں صاحب کہنے لگے، "ثریا!"

"جی میاں صاحب!"

"یہی ہے تمھارا سب سے زیادہ پسندیدہ تحفہ؟"

"جی ہاں۔"

میاں صاحب بولے، "دیکھو بیٹی! یہاں کسی کو بھی یہ اُمید نہیں تھی کہ تم اس پُرانے پنکھے کو اپنا اعلا ترین تحفہ کہو گی۔ اس لیے میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم نے اسے کیوں باقی تحفوں پر ترجیح دی ہے؟"

ثریا میاں صاحب کے سامنے کھڑی تھی اور ادب و احترام سے اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس نے کہا، "میں نے اسی کو سب تحفوں پر ترجیح دی ہے۔"

"مگر کیوں بیٹی؟"

"بتاتی ہوں میاں صاحب! میں جب چھوٹی سی بچی تھی تو ہمارے گھر میں ایک نوکرانی کام کرتی تھی جس کا نام کریمن تھا۔ میری امّی اور باجی دونوں گھر کے کاموں میں معروف ہو جاتی تھیں تو کریمن مجھے گود میں اُٹھا کر باہر باغ میں لے جاتی تھی۔ باغ میں گرمی ہوتی تھی۔ کریمن نے خود ایک پنکھا بنایا تھا جسے وہ جھلتی رہتی تھی۔ جب میں بڑی ہو کر اسکول جانے لگی تو کریمن چلی گئی۔ سال دو سال بعد ملنے کے لیے آجاتی تھی۔ چند روز پہلے وہ آئی تو اسے میری سال گرہ کا علم ہوا۔ بولی، "چھیّا، میں بھی تحفہ دوں؟" میں نے کہا کہ دینا چاہتی ہو تو دو مگر پیسہ ایک بھی خرچ نہیں کرنا۔ کہنے لگی، "نہیں خرچ نہیں کروں گی۔" اور وہ گھر سے یہی پنکھا لے آئی۔ میں نے کہا، "اماں! ذرا پہلے کی طرح جھل کر تو دکھاؤ۔" کریمن نے مجھے گود میں لے لیا اور وہ پنکھا جھلنے لگی۔ میاں صاحب! میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ جب اس کا دایاں ہاتھ حرکت کر رہا تھا تو کیسی میٹھی ہوا مجھے چھو رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں تو اتنا پیار تھا کہ میں کبھی بھی لفظوں میں یہ بیان نہیں کر سکتی۔ مجھے لگا جیسے میں ایک دم وہی چھوٹی بچی بن گئی ہوں اور کریمن اُسی طرح بڑی محبت سے مجھے پنکھا جھل رہی ہے۔ کچھ دیر بعد

کریمن یہ کہہ کر چلی گئی:

"چھیّا! میرے پاس تو یہی تحفہ ہے جسے میں نے اب تک سنبھال سنبھال کر رکھا ہے۔"

اور میں نے کریمن کا شکریہ ادا کر کے یہ پنکھا لے لیا اور اسے الماری میں رکھ دیا۔"

تقریب میں جتنے لوگ بیٹھے تھے اور جو ثریا کے ہاتھ میں پہلے یہ بہت معمولی پنکھا دیکھ کر اسے پاگل سمجھنے لگے تھے اب خاصے متاثر لگتے تھے۔

میاں صاحب بولے:

"ثریا بیٹی! تم نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے، مگر بیٹی میرے پاس کوئی ایسا انعام نہیں ہے جو میں تمھارے اس انمول تحفے کے بعد دے سکوں۔ میں تمھیں صرف دُعا دیتا ہوں اللہ کرے تم زندگی میں ہمیشہ ایسا ہی مناسب اور درست فیصلہ کیا کرو۔"

میاں صاحب نے اپنا فقرہ ختم کیا ہی تھا کہ ثریا کے چچا جان اپنی جگہ سے اُٹھے اور ثریا کے سر پر بڑی شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے:

"ثریا بیٹی! شاباش! اس پنکھے کے سامنے میری گھڑی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں بھی تمھیں وہی دُعا دیتا ہوں جو میاں صاحب نے دی ہے۔"

اب کیا تھا سب کے سب ثریا کے فیصلے کی تعریف کرنے لگے۔

درخواست

ننھے مُنّے بچو! میری آپ سے درخواست ہے کہ اپنے ملک کو صاف ستھرا رکھیں، تاکہ آپ کا ملک خوب صورت لگے۔ لیکن بعض چھوٹے بچے یہ ضرور سوچیں گے کہ ہم اتنے بڑے ملک کو کیسے صاف رکھیں۔ بچو! جب آپ اپنے گھر کو صاف رکھیں گے تو ظاہر ہے گلیاں صاف ہوں گی، کیوں کہ گندگی آپ باہر نہیں پھینکیں گے۔ جب گلی صاف ہو گی تو محلہ بھی صاف ہو گا اور جب محلہ صاف ہو گا تو شہر صاف ہو گا۔ جب شہر صاف ہو گا تو ملک صاف ہو گا۔ اس چھوٹے سے طریقے سے آپ اپنے ملک کو صاف رکھ سکتے ہیں۔

مرسلہ: انیلا کوثر جعفری، اسلام آباد

سوال و جواب

طب کی روشنی میں

حکیم محمد سعید

نزلہ زکام

س: عمر ۱۳ سال ہے۔ مجھے نزلہ اور زکام بہت زیادہ رہتا ہے۔ علاج کرتا ہوں مگر کوئی فائدہ نہیں۔ مہربانی فرما کر کوئی علاج بتائیے
رضوان جاوید

ج: آپ دواؤں کو چھوڑ دیجیے۔ نیم کے تازہ پتے لیجیے۔ ان کو پانی میں جوش دیں۔ خوش رنگ پانی تیار ہوگا۔ اس میں ذرا سا نمک ملائیے۔ اس نیم گرم پانی سے رات اور صبح اپنی ناک کو غسل دیں جس طرح وضو میں ناک میں پانی چڑھاتے ہیں۔ اسی طرح ۲۰ — ۲۵ دن کر کے دیکھ لیجیے۔ نزلہ زکام کو آرام آجائے گا۔ دماغ کی کمزوری ہے تو خمیرہ ہمدرد ۶ گرام روزانہ ۲۰ — ۲۵ دن کھا لیجیے۔

چھینکیں

س: سردیوں میں مجھے چھینکیں بہت آتی ہیں۔ کسی گرم جگہ سے نکل کر ٹھنڈی جگہ میں یا ٹھنڈی جگہ سے نکل کر گرم جگہ جانے سے ایسا ہوتا ہے۔ ازراہ کرم اس کا کوئی علاج تجویز فرمائیے۔
رضوان اکرم طور، ٹنڈو جان محمد

ج: یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ یہ فطری ہے۔ بعض انسانوں کی ناک کی اندرونی جھلی نازک ہوتی ہے اور موسم کی تبدیلی کا وہ فوراً اثر قبول کرتی ہے، جب کہ بعض لوگوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ اسے مزاج کہتے ہیں۔ آپ ایسا کریں کہ میتھی دانہ ۶ گرام کوٹ کر اسے چائے کی طرح پانی میں پکائیں اور صبح کو پئیں۔ ۱۰ — ۱۵ دن میں شاید اس سے فائدہ ہو جائے۔

کم زور نظر

س: عمر ۱۲ سال ہے۔ میری نظر کم زور ہے۔ عینک لگاتی ہوں۔ نظر ٹھیک ہونے کا کوئی علاج بتائیے۔
لبنیٰ بنت غازی، سکھر

ج : ایک بار اگر نظر کم زور ہو جائے تو پھر اُس کا طبعی حالت پر رہنا اکثر و بیشتر ممکن نہیں ہوتا۔ عینک ضرور لگانی چاہیے اور پھر نظر ٹھیک کرنے کی کوششیں کرنی چاہییں۔ بعض ورزشیں مفید ہوتی ہیں۔ مثلاً کرسی پر بیٹھ جائیں، پہلے دونوں آنکھوں سے دائیں طرف دور تک دیکھیں اور پھر سیدھا کر لیں۔ ایسا کم از کم دس بار کریں۔ اس کے بعد بائیں طرف اسی طرح کریں۔ پھر اوپر کریں اور پھر نیچے کریں۔ یہ چار قسم کی ورزش ہو گئی۔ آخری ورزش یہ ہے کہ دونوں آنکھوں کو دائرے میں گھمائیں، پہلے دائیں سے بائیں اور پھر بائیں سے دائیں۔

اس مفید ورزش کے علاوہ مغز بادام شیریں اچھا علاج ہے۔ بارہ دانے بادام رات کو بھگو دیں۔ صبح خوب چبا کر یا خوب باریک پیس کر دودھ میں ملا کر پی لیں۔ مہینوں تک یہ نسخہ استعمال کریں۔ جب موسم آئے تازہ گاجروں کا رس نکال کر کم از کم ایک گلاس روزانہ پینا چاہیے۔ بے حد مفید ہے۔

موٹی آواز

س : عمر ۱۳ سال ہے۔ میری آواز بہت موٹی ہے۔ کوئی مناسب علاج بتائیے۔

عبید اللہ کھٹیانی، سکھر

ج : اب بھئی میں کیا کر سکتا ہوں، یہ تو قدرت کی صنّاعی ہے، کسی کی آواز کیسی اور کسی کی کیسی۔ اوتاد الصوت (آواز کے تار) ہمارے گلے کے صندوق میں تنے ہوئے ہیں۔ اب اگر وہ زیادہ تنے ہوئے ہیں تو آواز تیز باریک ہوتی ہے۔ وہ ڈھیلے ہوں تو آواز موٹی اور بھدّی ہو جاتی ہے۔ یہ سارنگی کے تاروں کی طرح ہیں۔ زیادہ کسیے تو آواز تیز باریک ہو جاتی ہے۔ سارنگی کے تار ڈھیلے ہوں تو آواز موٹی رہتی ہے۔

ٹانگوں میں خارش

س : میرا ایک دوست ہے۔ اس کی ٹانگوں کے درمیان بہت خارش ہوتی ہے۔ پھوڑے بھی نکل آئے ہیں، بہت سے تیل، ٹیوب اور دوائیں استعمال کیں مگر یہ بیماری بڑھتی جا رہی ہے۔ ازراہِ کرم اس مسئلے کا کوئی حل بتائیے۔

مبشر منور خالد، احمد پور شرقیہ

ج : بہت اچھا علاج بتاتا ہوں۔ گُل منڈی ایک دوا ہوتی ہے۔ یہ ہر جگہ مل جاتی ہے۔ آپ ۷ گرام گل منڈی رات کو پانی میں بھگو دیں اور صبح اسے ہلکا سا جوش دے کر مَل کر چھان کر پینا

شروع کردیں۔ ۱۵ — ۲۰ دن پی ڈالیے۔ آرام آجائے گا۔

چھوٹا قد

س: عمر ۱۳ سال ہے۔ صحت بھی صحیح ہے خوراک بھی اچھی ملتی ہے، لیکن پھر بھی میرا قد نہیں بڑھتا۔ کسی نے کہا کہ لٹکنے سے قد بڑھ جاتا ہے۔ میں نے یہ بھی کر کے دیکھ لیا لیکن قد نہیں بڑھتا۔ میری ہم جماعت لڑکیاں اچھے قد کاٹھ کی ہیں۔ میری جتنی عمر کی لڑکیوں کے قد بھی اچھے ہیں۔ جب میں ان کے ساتھ چلتی ہوں تو مجھ میں احساسِ کم تری پیدا ہو جاتا ہے۔ مہربانی فرما کر آپ اس کا کوئی علاج بتائیے۔ شہلا بلوچ، سکھر

ج: دیکھو شہلا بیٹی! میرا کہنا مانو، کسی کے کہنے، سننے کی پروا نہ کرو۔ یہ قدرت کی دین ہے۔ جیسا اس نے بنا دیا اس پر شکر ادا کرو۔ قد بڑھانے کی کوشش بے کار ہے۔ اسے بھول جاؤ۔ اپنا علمی قد بڑھانے پر توجہ کرو۔ دنیا میں بہت سے پستہ قد لوگ بڑے لوگ بنے ہیں۔ اپنے علم کا قد بڑھاؤ۔

نزلہ

س: عمر ۱۶ سال ہے۔ میں درجہ نہم کا طالب ہوں۔ نزلہ میری پڑھائی پر بہت اثر انداز ہوتا ہے۔ میرا پڑھائی میں جی نہیں لگتا۔ امتحانات کے دنوں میں یہ نزلہ مجھے زیادہ تنگ کرتا ہے۔ ازراہ کرم مجھے اس مرض سے نجات دلائیے۔ افتخار احمد شہزاد، فیصل آباد

س: میرے بھائی کی عمر ۲۷ سال ہے۔ انھیں پچھلے دس سال سے زکام ہے۔ کئی علاج کروائے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ازراہِ کرم کوئی علاج بتائیے۔ صفیہ دار و غہ والا، لاہور

ج: پیارے پنجاب کے بہت سے پیارے لوگوں کو شکایت ہے کہ حلق پر نزلہ گر رہا ہے۔ بڑی حد تک یہ بات صحیح نہیں ہوتی بس خیال ہی خیال ہوتا ہے۔ انسانی جسم کی نازک جھلّیوں (حفاظتی غشائیں) سے رطوبت رسنا قدرتی ہے۔ تھوڑا بہت ایسا ہوتا رہتا ہے۔ حلق اور ناک میں بھی یہ نازک جھلّیاں استر کیے ہوئے رہتی ہیں۔ ان سے رطوبت بہر حال رستی ہے۔ اس کا کوئی نوٹس نہیں لینا چاہیے۔ اگر اس کو مرض سمجھ لیا تو سوچنے سے یہ رساؤ زیادہ ہو سکتا ہے۔ بھائی صاحب سے کہہ دیں کہ وہ اسے بھول جائیں۔

بس ایک کلیہ یاد رکھیں: ناک اور حلق کو صاف رکھنے پر توجہ کرنی چاہیے۔ آپ نے غور نہ کیا ہو تو اب سوچیے۔ پانچ نمازوں کے لیے پانچ بار وضو کیا جاتا ہے اور اس طرح پندرہ بار ناک میں پانی چڑھا کر ناک صاف کی جاتی ہے۔ یہ فطری علاج ہے جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔

"اس کتاب کی نقل و اشاعت کے جملہ حقوق عام ہیں!"

ہر کتاب پر لکھا ہوتا ہے: "جملہ حقوق محفوظ ہیں" لیکن حکیم محمد سعید نے اپنی نئی کتاب **کتابِ دوستاں** پر مندرجہ بالا الفاظ لکھ کر اس کتاب کو شائع کرنے کی عام اجازت دے دی ہے اور یہ کتاب ہے بھی اس قابل کہ اس کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔

کتابِ دوستاں

میں حکیم محمد سعید نے نونہالوں، نوجوانوں اور بڑوں سب کے لیے اپنے مطالعے کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ سیکڑوں عنوانات پر چھوٹے چھوٹے جواہر پارے، سادہ، آسان اور دل نشیں زبان میں حکمت اور تجربے کی باتیں۔ زندگی کے کسی معاملے میں، کسی مسئلے میں آپ کو رہنمائی کی ضرورت ہو، یہ کتاب آپ کی دوستی کا حق ادا کرے گی جس طرح شیخ سعدی نے گلستاں میں فارسی زبان میں اپنی زندگی بھر کے علم اور تجربے کا خلاصہ لکھ دیا تھا اسی طرح حکیم محمد سعید نے **کتابِ دوستاں** میں آسان اُردو میں یہ جواہر پارے لکھ کر علم و عقل کا عطر پیش کر دیا ہے۔

حکیم محمد سعید کے مشہور و مقبول کالم جاگو جگاؤ کو مسعود احمد برکاتی نے ایک خوبصورت لڑی میں پرو کر کتابِ دوستاں کی شکل دی ہے۔ **کتاب دوستاں** ایک مفید کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت کتاب بھی ہے۔ پوری کتاب دو رنگ میں سفید کاغذ پر شائع کی گئی ہے۔ مجلد، حسین و رنگین گرد پوش کے ساتھ یہ کتاب تحفے میں دینے کے لائق ہے۔

قیمت: تیس روپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی کے علاوہ ہر اچھی دکان سے مل سکتی ہے

یہ گُل خیال کے ہیں

نظم پارہ نظمی، شہداد پور

آج کلاس میں مس شبانہ جشنِ آزادی کے سلسلے میں ہونے والی تقریب کی تفصیلات بتا رہی تھیں اور ان لڑکیوں کے نام بھی لکھتی جا رہی تھیں جو نعت خوانی، تقریروں اور ترانوں وغیرہ میں حصّہ لے رہی تھیں۔ اس کلاس میں فاریہ بھی پڑھتی تھی، جس کا لڑکیاں ہمیشہ مذاق اُڑایا کرتی تھیں۔ وہ بڑی سیدھی لڑکی تھی۔ زیادہ خوب صورت نہ تھی اس لیے اس کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

اچانک فاریہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور مس شبانہ سے بولی "مس! میں بھی تقریر کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ مجھے جشنِ آزادی کے موضوع پر تقریر لکھ کر دے سکتی ہیں؟"

"ویسے تو تمام استانیاں بہت مہربان اور شفیق ہوتی ہیں، لیکن مس شبانہ کو تو لڑکیوں سے کچھ خاص قسم کا بیر تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹتی تھیں۔ ایک بات کو دوبارہ بتانا تو وہ اپنی توہین سمجھتی تھیں۔

انھوں نے فاریہ کے سوال پر اسے ڈانٹتے ہوئے کہا "میں کیا فالتو ہوں جو دوسروں کے لیے تقریریں لکھتی پھروں۔ جاؤ، جا کر کسی اور سے کہو۔"

فاریہ کے چہرے پر دنیا جہان کا کرب سمٹ آیا۔ یہ دیکھ کر ہم سب کو بہت مزہ آیا۔ فاریہ نے ہم سب کو مسکراتے دیکھا تو ایک بار پھر مس شبانہ سے کہا "مس! دیکھیے میرا اماں جی کے سوا کوئی اور نہیں اور ماں جی اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔ کیوں کہ وہ پڑھی لکھی نہیں ہیں۔ آپ ہی کچھ کیجیے نا!"

لیکن مس کا اس درخواست پر کوئی اثر نہ ہوا اور انھوں نے فاریہ سے کہا کہ جا کر اپنی جگہ بیٹھ جاؤ۔

ہم سب ہنس دیے اور فاریہ آنکھوں میں آنسو لیے ہم سب کو دیکھتی رہ گئی۔

تقریب والے دن ہم سب تو تقریریں اپنے بڑوں سے لکھوا کر لے ہی آئے تھے لیکن ہمیں حیرانی اس بات پر تھی کہ فاریہ بھی اس میں حصّہ لے رہی تھی۔ نسرین نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا، "اب دیکھنا! کیا کارنامہ سرانجام دیتی ہیں محترمہ! میرے خیال میں تو وہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکیں گی۔"

اسی طرح باتیں کرتے ہوئے ہم اسکول پہنچ گئے۔ اسکول رنگ برنگی جھنڈیوں اور خوب صورت بیل بوٹوں سے سجا ہوا تھا اور بہت پیارا لگ رہا تھا۔ آخر وہ وقت بھی آپہنچا جب تقریب شروع ہوئی۔ سب لڑکیاں تقریر کر رہی تھیں لیکن ذرا بھی مزہ نہیں آرہا تھا۔ ان کا جوش اور جذبہ مصنوعی لگ رہا تھا۔ رٹے رٹائے جملوں میں کوئی تاثیر نہ تھی۔ پھر فاریہ کی باری تھی۔ سب لڑکیاں ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگیں۔ آہستہ آہستہ اس کا مذاق بھی اُڑایا جا رہا تھا۔ فاریہ بڑے نپے تُلے قدموں سے اسٹیج پر آئی۔ اس نے ایک نظر پورے ہال پر ڈالی اور پھر دھیمے دھیمے لہجے میں تقریر کا آغاز کیا:

"معزز مہمانانِ گرامی، مری اساتذہ کرام اور ساتھیو! اسلام علیکم

میں پاکستان کی بیٹی ہوں اور ہر بیٹی اپنے باپ کے متعلق سب کچھ جانتی ہے۔ اسے کیا ضرورت ہے کسی سے کچھ لکھوانے کی۔ میرے دل کے سادے کاغذ پر سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ مجھے کسی سے اپنے مادرِ وطن کے بارے میں پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

اس کے بعد اس کے ٹھیرے ٹھیرے انداز میں جوش اور ولولے کا رنگ آگیا۔ واہ! کیا خیال تھا۔ ہاں وہ خیال کے بادل ہی تھے جن سے وہ الفاظ کے پھولوں کی برسات کر رہی تھی۔ جذبات کی شدّت سے اس کا چہرہ سرخ تھا۔ آنکھیں بھیگ گئی تھیں اور ہم سب کی آنکھیں شرم کا بوجھ نہ سہارتے ہوئے جُھک گئی تھیں۔ ہم جو ہمیشہ اس کا مذاق بناتے تھے، آج اس کے الفاظ کے تیر ہمارے دِلوں میں پیوست ہو رہے تھے۔ پھر اس نے آخر میں کہا:

"میں مس شبانہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے انکار کر کے مجھ میں خود لکھنے کی لگن پیدا کی۔"

سب کی نظریں مس شبانہ کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں لیکن فارینہ نے جب اپنی تقریر ختم کی تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے الفاظ کے وہ پھول جو وہ ہم سب پر برسا رہی تھی ان کی مہک سے ہمارے سانس معطر ہو گئے۔ اس کو پہلا انعام ملا۔ ہم سب بے حد شرمندہ تھے، کیوں کہ اس کے الفاظ کی گرمی نے ہمارے دِلوں پر چڑھی سفید اور سرد تہ پگھلا دی تھی۔

ہم جھجکتے ہوئے اس کے پاس گئے۔ ہم نے اسے پہلا انعام ملنے پر مبارک باد پیش کی۔ اس نے شکریے کے سچے موتی ہمیں دیے۔ ہم نے اس سے معافی مانگی۔ اس نے کہا "معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم بھی پاکستان کی بیٹی ہو اور میں بھی پاکستان کی بیٹی۔ پھر تو دونوں بہنیں ہوئیں نا۔ اور بہنوں کے لیے دِل میں حسد کے کانٹے اور نفرت کا زہر رکھنے کی کیا ضرورت ہے"

ہم سمجھ گئے کہ جس کے خیالات اتنے حسین ہوں اس کے الفاظ کے پھول بھی خوب صورت ہوتے ہیں اور ان کی مہک ہر ایک کا دل موہ لیتی ہے۔

غریبوں کے دل کی جلن

ایک سنگ دل تاجر لکڑہاروں سے لکڑیاں کم دام میں خریدتا تھا اور جاڑوں میں دُگنے چوگنے دام پر فروخت کر دیتا۔ امیر غریب سب اس کے ظلم سے پریشان تھے۔ ایک دن تاجر نے ایک غریب لکڑہارے سے لکڑیاں چھین لیں اور جتنے دام بنتے تھے اس سے آدھے بھی نہ دیے۔ غریب چیخنے چلّانے لگا۔ کوئی نیک آدمی پاس سے گزر رہا تھا۔ اس نے تاجر کو ملامت کی کہ غریبوں سے ایسا سلوک نہیں کرتے۔ اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ لیکن اس ظالم نے کوئی پروا نہ کی۔ اتفاق سے اسی رات تاجر کے لکڑیوں کے ڈھیر کو آگ لگ گئی اور پھیلتے پھیلتے سارے گھر کو اس نے لپیٹ میں لے لیا۔ تمام مال دولت جل کر راکھ ہو گیا۔ ایک بار پھر وہی نیک آدمی وہاں سے گزرا تو تاجر اپنے دوستوں سے کہہ رہا تھا کہ پتا نہیں، میرے ہاں یہ آگ کیسے لگ گئی۔ نیک مرد بول اُٹھا "غریبوں کے دِل کی جلن سے"

مرسلہ: عارفہ کوثر، گوجرانوالہ

ذرا دیکھیے! قمیص اس طرح سی جاتی ہے؟
اوہ! معاف کیجیے گا جناب! غلطی سے ناپ اُوپر نیچے لکھ دی ہے۔ گردن ۱۵ انچ اور لمبائی ۳۴ انچ

بند کرو اسے، کیا ہے یہ؟
تسلم کاؤنٹ
آپ ہی نے تو کہا تھا کہ اسے کھول کر دکھاؤ۔ یہ خالص شہد ہے۔
خالص شہد

فٹ بال

ساجد علی ساجد

۱۔ فُٹ بال کا کھیل اپنی موجودہ جدید شکل میں دنیا کے کس حصّے میں شروع ہوا؟
۲۔ دنیا کا قدیم ترین فُٹ بال کلب کون سا ہے؟
۳۔ فیفا (FIFA) کا مطلب کیا ہوتا ہے؟
۴۔ فُٹ بال یا سوکر (SOCCER) کا نام کس نے رکھا تھا؟
۵۔ کیا فُٹ بال کے کھلاڑیوں کا میچ کے دوران نمبروں والی قمیص پہننا ضروری ہے؟
۶۔ ایک فُٹ بال گراؤنڈ کا سائز کیا ہوتا ہے؟
۷۔ گول نیٹ سب سے پہلے کب استعمال ہوا تھا؟
۸۔ فُٹ بال ریفری کیا کیا چیزیں لیے میدان میں آتا ہے؟
۹۔ دنیا میں پہلی مرتبہ ٹیلے وژن پر کون سا فُٹ بال میچ دکھایا گیا؟
۱۰۔ فٹ بال کی تاریخ میں سب سے زیادہ تعداد میں لوگوں نے کون سا میچ دیکھا؟
۱۱۔ مردیکا فٹ بال ٹورنامنٹ پہلی بار کب ہوا تھا؟
۱۲۔ مردیکا کے معنی کیا ہوتے ہیں؟
۱۳۔ پہلا ورلڈ کپ فٹ بال ٹورنامنٹ کب ہوا تھا؟
۱۴۔ کس ملک نے ورلڈ کپ ٹائیٹل تین بار جیتا ہے؟
۱۵۔ ورلڈ کپ میں سب سے زیادہ گول اسکور کرنے کا رِکارڈ کس کے پاس ہے؟
۱۶۔ اب تک فُٹ بال کے کتنے ورلڈ کپ ہو چکے ہیں؟
۱۷۔ موجودہ ورلڈ کپ چیمپئن کون سا ملک ہے؟
۱۸۔ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا فُٹ بالر کون ہے؟
۱۹۔ اب تک دنیا میں سب سے زیادہ شہرت کس فُٹ بالر کو حاصل ہوئی؟

۲۰۔ پاکستان کی قومی فُٹ بال ٹیم کے کپتان کون ہیں؟
۲۱۔ پاکستان فُٹ بال فیڈریشن کے سکریٹری کا نام بتائیے؟
۲۲۔ فُٹ بال کی موجودہ بین الصوبائی چیمپئن کون سی ٹیم ہے؟
۲۳۔ پاکستان میں بین الاقوامی معیار کا فُٹ بال اسٹیڈیم کس شہر میں ہے؟
۲۴۔ پاکستان میں قومی یوتھ چیمپئن شپ کتنی بار کھیلی جا چکی ہے؟
۲۵۔ اِس وقت قومی فٹ بال ٹیم کے کوچ کون ہیں؟
۲۶۔ قومی فُٹ بال ٹیم نے حال ہی میں کس ملک کا دورہ کیا تھا؟
۲۷۔ پاکستان کے کون کون سے کھلاڑی پیشہ ور فُٹ بالر کے طور پر ملک سے باہر کھیل چکے ہیں؟
۲۸۔ پاکستان کے کس فُٹ بالر کو سب سے زیادہ مرتبہ ہیٹ ٹرک اور ڈبل ہیٹ ٹرک کا اعزاز حاصل ہوا ہے؟
۲۹۔ پاکستان فُٹ بال فیڈریشن کب قائم ہوئی تھی؟
۳۰۔ پاکستان کی قومی فُٹ بال ٹیم کس سنہ میں ملک سے پہلی بار باہر گئی تھی؟
۳۱۔ پاکستان نے پہلی مرتبہ ایشیائی کھیلوں میں کب شرکت کی؟

جوابات

۱۔ فُٹ بال کا کھیل اپنی موجودہ شکل میں سب سے پہلے انگلستان میں کھیلا گیا اور لوگ اس کے جنون میں ایسے مبتلا ہوئے کہ شروع کے انگریز بادشاہوں مثلاً ایڈورڈ دوم (۱۳۲۴ء) ایڈورڈ سوم (۱۳۴۹ء) رچرڈ دوم (۱۳۸۹ء) اور ہنری چہارم (۱۴۰۱) کو اس کھیل پر پابندی لگانی پڑی۔ مگر بعد میں انگریز بادشاہ بھی عوام کے اس شوق کے آگے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ (۲) شیفیلڈ فُٹ بال کلب انگلستان، جو ۲۴ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو قائم ہوا تھا۔ (۳) فیفا فُٹ بال کی بین الاقوامی ٹیم ہے اور یہ لفظ فیڈریشن انٹرنیشنل ڈی فٹ بال ایسوسی ایشن کا مخفف ہے۔ یہ تنظیم ۲۱ مئی ۱۹۰۴ء کو قائم ہوئی تھی۔ (۴) انگلستان کے چارلس ڈبلیو براؤن نے۔

(۵) جی ہاں (۶) ایک سو سے ایک سو تیس گز لمبائی اور پچاس سے سو گز تک چوڑائی۔
(۷) ۱۸۹۱ء میں، انگلستان میں نارتھ اور ساؤتھ کے میچ میں۔ (۸) سیٹی (وِسل)، ایک سکّہ، ایک گھڑی، ایک گیند، ایک نوٹ بک، ایک پنسل اور رنگین کارڈ۔
(۹) ۱۹۳۸ء میں آرسینال اور پریسٹن (انگلستان) کے درمیان کھیلا جانے والا چیرٹی فُٹ بال فائنل میچ۔ (۱۰) ۱۹۵۰ء میں برازیل اور یورا گوئے کے درمیان ورلڈ کپ کا فائنل میچ دو لاکھ پانچ ہزار افراد نے دیکھا تھا۔ (۱۱) ۱۹۵۷ء میں۔ (۱۲) آزادی۔
(۱۳) ۱۹۳۰ء میں۔ (۱۴) برازیل نے ۱۹۵۸ء، ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۰ء کا ورلڈ کپ جیتا تھا۔ (۱۵) جرمنی کے جیرڈ ملر نے ۱۹۷۴ء کے ورلڈ کپ میں ۱۴ گول کیے تھے۔
(۱۶) تیرہ، پچھلا ورلڈ کپ ۱۹۸۶ء میں میکسیکو میں ہوا تھا۔ (۱۷) ارجنٹینا۔ (۱۸) ارجنٹینا کا میراڈونا، جس نے اپنے ملک کو ۱۹۸۶ء کے ورلڈ کپ فائنل میں جرمنی کے خلاف کامیابی دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ (۱۹) برازیل کے "پیلے" کو، جنھوں نے تین ورلڈ کپ کھیلے اور بارہ گول کیے۔ (۲۰) پاکستان کی قومی فُٹ بال ٹیم کے کپتان مختار ہیں جن کا تعلق پی آئی اے سے ہے۔ (۲۱) پاکستان فُٹ بال فیڈریشن کے موجودہ سکریٹری محمد سعید خاں ہیں جو پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۲۲) موجودہ بین الصوبائی چیمپئن حبیب بینک ہے جس نے ۱۹۸۵ء میں یہ اعزاز جیتا اور اس کے بعد یہ چیمپئن شپ بند کر دی گئی اور اس کی جگہ پی ایف ایف کپ نے لے لی۔ (۲۳) پاکستان میں بین الاقوامی معیار کا کوئی فُٹ بال اسٹیڈیم نہیں ہے۔ (۲۴) بارہ مرتبہ۔ موجودہ چیمپئن کراچی ہے اور رنر اپ ملتان کی ٹیم ہے۔ (۲۵) اس وقت ایک جرمن کوچ پاکستانی ٹیم کو کوچ کر رہے ہیں۔ ان کے نائب یونس رانا ہیں۔ (۲۶) قومی فُٹ بال ٹیم اپریل ۸۸ء میں ایشین کوالیفائنگ راؤنڈ کھیلنے ملائشیا کے شہر کوالالمپور گئی تھی۔ (۲۷) عمر، علی نواز، عابد، موسیٰ غازی، داد محمد، ابراہیم، قیوم چنگیزی، اسماعیل جان، تاج سینئر، تُراب، مراد بخش اور بہت سے دوسرے۔ (۲۸) علی نواز کو۔ (۲۹) پاکستان فُٹ بال فیڈریشن ۵۔ دسمبر ۱۹۴۷ء کو قائم ہوئی تھی اور بابائے قوم قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اس کا سرپرستِ اعلا بننا قبول فرمایا تھا۔ ۱۹۵۰ء میں خواجہ شہاب الدین اس کے صدر اور ونگ کمانڈر

صوفی اس کے سکریٹری منتخب ہوئے تھے۔ (۳۰) پہلی بار پاکستانی فٹ بال ٹیم ملک سے باہر ۱۹۵۰ء میں گئی تھی۔ اس کے کپتان سندھ کے عثمان جان تھے۔ یہ ٹیم مندرجہ ذیل کھلاڑیوں پر مشتمل تھی: محمد یعقوب، محمد رمضان، زمان شاہ، احمد علی، حسن، شفیع، شریف، قاسم، واحد، سید و خان کاکو، عابد، تاج محمد جونیئر، ہارون اور عزیز سعید مرزا۔
(۳۱) پاکستان نے ۱۹۵۴ء میں پہلی مرتبہ ایشیائی کھیلوں میں شرکت کی۔ اس ٹورنامنٹ میں برما پاکستان کو دو کے مقابلے میں تین گول سے ہرا کر سیمی فائنل میں پہنچا تھا۔

طاقت کی زبان

ایک بھیڑیا ایک بھیڑ کو شکار کر کے اُٹھائے چلا جا رہا تھا۔ اچانک اس کی شیر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ شیر نے وہی کیا جو اُسے کرنا چاہیے تھا۔ یعنی اس نے بھیڑ بھیڑیے سے چھین لی۔
بھیڑیا مجبور تھا، شیر سے کچھ دُور جا کر کھڑا ہوا اور بولا،
"تمھیں میری بھیڑ ہتھیانے کا کوئی حق نہیں تھا۔"
شیر نے کہا، "اچھا اگر تمھیں یہ طریقہ پسند نہیں آیا تو میں اسے ایک دوست کا تحفہ سمجھ کر قبول کرتا ہوں۔"

مرسلہ: سلیم اختر ساحلی، لاہور

نتیجہ انعامی لطیفے

ہم نے خاص نمبر میں شائع ہونے والے پانچ بہترین لطیفوں پر انعام میں ایک ایک کتاب دینے کا اعلان کیا تھا۔ مندرجہ ذیل پانچ نونہالوں کے لطیفے بہترین قرار دیے گئے ہیں۔ ان نونہالوں کو ایک ایک کتاب بہ طور انعام بھیجی جائے گی۔ یہ نونہال جلد از جلد اپنے پورے پتے بھیج دیں۔

- سید محمد اطہر، لاڑکانہ
- علی ذوالقرنین، کراچی
- محمد علی شاہین، گھوٹکی
- محمد صابر محمود، حیدر آباد
- شبیا عباس، کراچی

دھرتی پاکستان کی

سائرہ نواب، نئی کراچی

چودہ اگست ہمارے لیے تجدیدِ عہد کا دن ہے۔ یہ دن ہماری آزادی کا تابناک دن ہے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کا سورج برصغیر کے مسلمانوں کے لیے آزادی کا پیغام لے کر آیا تھا۔ آج سے کئی سو سال پہلے برصغیر پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ مغلوں کے دور میں انگریزوں نے تاجروں کے روپ میں آکر آہستہ آہستہ برصغیر میں اپنے قدم جما لیے۔ اور پھر اپنے سازشی ذہن اور اپنی عیاری کی بہ دولت یہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ حکومت قائم کرتے ہی انھوں نے مسلمانوں کو معاشی، اقتصادی و سیاسی اور تعلیمی لحاظ سے کچلنے کی کوشش کی اور ان کے لیے ترقی کا ہر دروازہ بند کر دیا۔ انگریز حکمرانوں کی اس ناانصافی کی پالیسی کی وجہ سے دردمند مسلمان رہنما مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ اس مقصد کے لیے سرسیّد، مولانا محمد علی جوہر، علّامہ اقبال، قائدِ اعظم محمد علی جناح اور دوسرے رہنماؤں نے لوگوں کو سمجھایا اور ان میں آزادی کی روح پھونک دی۔

مسلمان رہنماؤں نے ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بُنیاد ڈالی۔ علامہ اقبال نے اپنی نظموں کے ذریعہ سے فلسفۂ خودی اور علاحدہ مملکت کا تصوّر پیش کر کے مسلمانوں کو جھنجھوڑ ڈالا جس کے نتیجے میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں قرار دادِ پاکستان پیش کی گئی۔ اس میں مسلمانوں کے لیے ایک علاحدہ اسلامی مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا جس میں وہ آزادی سے اسلامی احکام کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ اس مطالبے کے بعد تحریکِ پاکستان بڑے زور و شور سے چلی۔ ہندوؤں اور انگریزوں کے باہمی گٹھ جوڑ اور مخالفانہ رویّے کے باوجود مسلمانوں کی قربانیاں اور کوششیں رنگ لائیں اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مسلمانوں کے لیے ایک آزاد وطن پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

اتنی کوششوں اور انتھک جدّوجہد کے بعد ہمیں جو آزادی ملی، ہمیں اس آزادی کی قدر کرنی چاہیے۔ آزادی کو برقرار رکھنے کا سب سے آسان طریقہ قومی یک جہتی ہے۔ اتحاد بہت بڑی طاقت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے ذاتی اختلافات میں اُلجھ کر آزادی جیسی نعمت کو کھو دیں۔ آئیے مل کر عہد کریں کہ ہم تعصّبات کو مٹا دیں گے اور اپنی پاک دھرتی کو امن و سکون کا گہوارہ بنا دیں گے۔

قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ

عارف چغتائی، کراچی

شگفتہ گلوں کا چمن دے گیا!
خدا اس کو بخشے وطن دے گیا

مجاہد کا اندازِ فن دے گیا
وہ بازوئے شمشیر زَن دے گیا

غلامی میں تھے موت سے ہم کنار
ہمیں زندگی کا چلَن دے گیا

حریفوں کی چالوں سے کیسے بچیں
حریفانہ اندازِ فَن دے گیا

رَجز پڑھتے ہم کیوں نہ آگے بڑھیں
اشاراتِ خیبر شکَن دے گیا

عدَم کو وہ جاتے ہوئے تحفتہً
شگفتہ گلوں کا چمن دے گیا
خدا اس کو بخشے وطن دے گیا

پاکستان کا واحد ٹیکنیکل مجلّہ
ماہنامہ عملی سائنس کراچی

18 واں سالنامہ
ستمبر 88 کا شمارہ
مقبول عام سلسلہ
ہمارے سورج چاند ستارے
نیز اراکین عملی سائنس کلب کی رنگین تصاویر
صفحات: 122۔ قیمت: 25 روپے

دفتر کا پتہ: ۲ ٹھاکر داس بلڈنگ، دوسری منزل نزد ریڈیو پاکستان۔ ایم۔ اے جناح روڈ۔ کراچی ۱

نیکی کا بدلا

صلاح الدین عباسی، سکھر

ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک لڑکا شیرو رہا کرتا تھا۔ وہ لکڑیاں کاٹ کاٹ کر شہر لے جاتا اور وہاں پہنچ کر اپنے لیے کھانے پینے کا سامان کرتا۔ وہ بڑی خوش و خرم زندگی گزار رہا تھا۔ اسے کسی چیز کا غم نہ تھا۔ البتہ وہ بالکل اکیلا تھا۔ اس کے والدین اور بہن بھائی کوئی نہ تھا، مگر اس کے باوجود وہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہتا تھا۔

ایک دن وہ لکڑیاں اپنی پیٹھ پر لادے آہستہ آہستہ چلتا ہوا شہر جا رہا تھا۔ اس کی نظر ایک چڑیا پر پڑی جو دانہ چُگ رہی تھی اور ایک سانپ رینگتا ہوا اس کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ شیرو کو چڑیا پر رحم آ گیا۔ اس نے اپنی لکڑیاں ایک طرف رکھیں اور کلہاڑی سے سانپ کے ٹکڑے کر دیے۔ چڑیا اُڑ کر درخت کی ٹہنی پر جا بیٹھی۔

وہ چڑیا دراصل چڑیا رانی تھی جو اس وقت عام چڑیوں کے روپ میں دانہ تلاش کرنے نکلی تھی۔ اس نے شیرو سے کہا:

"بھائی لکڑہارے! تمھارا بہت بہت شکریہ۔ اگر تم سانپ کو نہ مارتے تو وہ یقیناً مجھے چٹ کر جاتا۔"

"شیرو نے مسکرا کر جواب دیا،" اچھی چڑیا! میں نے تمھاری جان بچا کر کوئی احسان نہیں کیا۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دشمن پر للکار کر حملہ کرو اور اپنے سے کم زور سے ہرگز نہ لڑو۔

چڑیا نے چوں چوں کرتے ہوئے کہا،" پیارے لکڑہارے! تمھارا پھر بھی بہت بہت شکریہ۔ اگر کسی دن میری ضرورت پڑے تو مشرق کی طرف منھ کر کے تین مرتبہ چوں، چوں، چوں کہنا میں آ جاؤں گی۔" یہ کہہ کر چڑیا پھُر سے اُڑ گئی۔

شیرو نے آہستہ سے کہا،" پیاری چڑیا! مجھے تمھاری مدد کی ضرورت نہیں۔ میرا اللہ جو موجود ہے۔ وہ تو پتھر میں چھپے کیڑے کو بھی غذا فراہم کرتا ہے۔ میں اس سے مدد مانگوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ ذریعہ تم بن جاؤ۔"

پھر شیرو لکڑیاں بیچنے شہر کی طرف چل پڑا۔ اس کی یہ باتیں چڑیا رانی نے بھی سُن لی تھیں۔

ایک دن شیرو نے شہر کی منڈی میں بہت ہی پیارے چھوٹے سے چُوزے دیکھے۔ شیرو کو وہ چُوزے بہت ہی بھائے۔ اس نے فوراً خرید لیے اور گھر لے آیا۔ شیرو کو چوزوں سے بہت پیار تھا۔ اس نے ان کے نام بھی رکھے تھے۔

اب وہ جب شہر سے لکڑیاں بیچ کر اپنے گھر آتا تو چوزے اس کے گرد جمع ہو جاتے اور وہ انھیں دانہ کھلا دیتا۔ اب تو وہ شیرو سے بہت مانوس ہو گئے تھے۔ شیرو جب بھی انھیں آواز دیتا وہ بھاگ کر اس کے پاس آجاتے اور چوں چوں کر کے اس سے دانہ مانگتے۔

ایک شام جب سورج غروب ہو رہا تھا۔ شیرو اپنے کمرے میں سو رہا تھا اور تینوں چوزے جو اب تھوڑے بڑے ہو گئے تھے۔ باہر صحن میں کھیل رہے تھے۔ اچانک ایک کوّے کی نظر ان پر پڑ گئی۔ اس کے تو منھ میں پانی بھر آیا۔ لیکن وہ ان کو پکڑ نہ سکتا تھا، کیوں کہ ایک تو وہ تین تھے، دوسرے کچھ بڑے بھی تھے۔ آخر اسے ایک ترکیب سُوجھی۔ وہ فوراً ایک عقاب کے پاس پہنچا اور اس سے کہا، "حضور! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ چلیے، تین موٹے موٹے چُوزے آپ کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ آپ انھیں نوش فرما سکیں۔"

یہ سُن کر عقاب کی رال ٹپکنے لگی۔ وہ کئی دنوں سے بھوکا تھا۔ فوراً تیار ہو گیا۔ کوّا بہت خوش ہوا، کیوں کہ عقاب جو کچھ بچا تا کوّا اُسے کھاتا تھا۔ عقاب کی نظر جیسے ہی چوزوں پر پڑی اور اس کی بھوک ایک دم تیز ہو گئی۔

اتفاق سے اسی وقت چڑیا رانی بھی وہاں آپہنچی۔ وہ شیرو کی طبیعت پوچھنے آئی تھی۔ اس نے جو شیرو کے گھر میں چوزے دیکھے تو بہت خوش ہوئی کہ اب ان سے بھی دوستی کر لوں گی۔ پھر اچانک ہی اس کی نظر عقاب پر پڑی جو شیرو کے گھر کے اُوپر منڈلا رہا تھا۔ بس پھر کیا تھا۔ ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ شیرو کے چوزوں کو ضرور بچاؤں گی۔

چڑیا رانی نے دیکھا کہ اب عقاب چوزوں کی طرف لپکنے ہی والا ہے۔ اس نے بھی

چوزوں کی طرف اُڑنا شروع کر دیا۔ جیسے ہی وہ چوزوں کے قریب پہنچی، اسی وقت عقاب بھی وہاں پہنچ گیا۔ چوزے بھاگ کر اِدھر اُدھر ہو گئے۔ چڑیا رانی نے فوراً اپنی چونچ عقاب کی آنکھ میں گھسا دی اور خود اُڑ کر ایک درخت کی شاخوں میں چھپ گئی۔ عقاب کی آنکھ تو نہیں پھوٹی البتہ درد اتنا شدید ہوا کہ اس کا سر چکرا گیا اور وہ شبرو کے گھر کی دیواروں سے ٹکراتا ہوا دوبارہ اوپر کوّے کے پاس پہنچ گیا۔ چڑیا رانی پھر دیوار پر آ کر بیٹھ گئی۔ اُدھر کوّے نے جو عقاب کو زخمی دیکھا تو اس سے کہا، "حضور کوئی بات نہیں۔ وہ تو آپ بے خبری میں مات کھا گئے۔ اب تو آپ ہوشیار ہیں۔ جائیے وہ سامنے دیوار پر چڑیا بیٹھی ہے پہلے اسے ختم کیجیے۔ پھر....."

عقاب نے فوراً کوّے کی بات مان لی اور غصّے اور جوش میں پوری قوّت سے دیوار پر بیٹھی چڑیا رانی کی طرف لپکا۔ چڑیا رانی اس کی حالت سمجھ رہی تھی۔ وہ دیوار پر بیٹھی رہی۔ عقاب جیسے ہی اس کے قریب پہنچا وہ پھُر سے اس کے نیچے سے نکل گئی اور عقاب بہت زور سے دیوار سے ٹکرایا۔ درد کی ایک شدید لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس کی چونچ ٹوٹ چکی تھی اور اس کے کچھ ٹکڑے اس کی آنکھ میں گھُس گئے تھے۔ اس نے بے بسی سے چڑیا

کی طرف دیکھا اور دوبارہ اُڑ گیا۔

پھر چڑیا نے دیکھا کہ ہوا میں دو پرندے آپس میں لڑ رہے ہیں اور تھوڑی دیر بعد اس نے چھوٹے پرندے کو نیچے گرتے دیکھا۔

اِدھر چڑیا رانی سوچ رہی تھی کہ شیرو نے سچ کہا تھا کہ اللہ پتھر میں چھپے کیڑے کو خوراک پہنچاتا ہے۔ شیرو نے اس سے مدد بھی نہ مانگی مگر اللہ نے اسے ذریعہ بنا کر شیرو کی مدد کروائی تھی۔ آج چڑیا رانی بہت خوش تھی، کیوں کہ اس نے اپنے محسن کو بتائے بغیر اُس کا احسان اُتار دیا تھا۔

موہک

موہک، کوئل کی قسم کا ایک پرندہ ہے۔ کوئل تو گرمیوں میں آتی ہے مگر موہک سردیوں میں آتا ہے۔ یہ اپنا گھونسلا خود بناتا ہے۔ ڈیل ڈول میں کوّے کے لگ بھگ ہوتا ہے۔ اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے، مگر بازو بُھورے ہوتے ہیں۔ دُم سبزی مائل سیاہ چمک دار اور تقریباً دس انچ لمبی ہوتی ہے۔ یہ کیڑے مکوڑے اور پھل کلیاں تک کھا جاتا ہے۔ تیتروں کی طرح زمین پر بڑی آن بان سے چلتا ہے۔ اکثر اونچے درختوں اور جھاڑیوں کے پاس اُڑتا رہتا ہے، کیوں کہ وہاں کھانے کو کیڑے مکوڑے بہت مل جاتے ہیں۔ اُڑنے سے پہلے سیٹی بجا کر ایک کرخت آواز نکالتا ہے۔ ڈر کے وقت بھی چیخ مارتا ہے۔ اپنی دُم کو اکثر لہراتا رہتا ہے۔ اس کی دُم وزنی ہوتی ہے، اس لیے تیز نہیں اُڑ سکتا۔ موہک عموماً جنگلوں اور باغوں میں نظر آتا ہے۔ اس کے بال و پر سیاہ، سُرخ اور بُھورے رنگ کے ہوتے ہیں، اس وجہ سے وہ جھاڑیوں میں نظر نہیں آتا۔ درختوں اور جھاڑیوں سے زیادہ دُور نہیں جاتا۔ اس کی مادہ مئی سے جولائی تک انڈے دیتی ہے۔

موہک سردیوں میں خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ جیسے جیسے گرمی کا موسم آتا ہے تو دھیمی دھیمی "ہُوٹ، ہُوٹ" کی آواز نکالنا شروع کر دیتا ہے۔

عدیلہ لطیف اور کنول شوکت، کراچی

عید ترانہ

ہاتفؔ[1] نے یوں پُکارا — دن عید کا ہے پیارا
خوش بُوئے جاں فزا سے — مہکا ہے باغ سارا
روشن ہے چاند تارا — ہے یومِ عید پیارا

دیکھو ذرا گگن کو — تاروں کی انجمن کو
بارات ہے فلک پر — یا شام کی دُلھن کو
قُدرت نے ہے سنوارا — ہے یومِ عید پیارا

صحنِ چمن میں پریاں — ہیں آج گُل بداماں
سب طائرانِ گلشن — فرطِ طرب سے رقصاں
کیا خوب ہے نظارا — ہے یومِ عید پیارا

اے خالقِ دو عالم — اے افضل و معظم
ہم سر کو ہیں جُھکائے — یہ التجا ہے ہر دم
رحمت کا ہو اشارا — ہے یومِ عید پیارا

دل شاد ہے زمانہ — جب پڑھ چُکے دوگانہ
تب پھول نے سُنایا — یہ عید کا ترانہ
جو ہے سبھوں سے نیارا — ہے یومِ عید پیارا

تنویر پھول

[1] ہاتف = غیبی فرشتہ۔

ہمدرد نونہال، اگست ۱۹۸۸ء

گدھے کے کان

ایک بادشاہ تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اُسے بچّوں سے بہت پیار تھا۔ وہ اِسی وجہ سے بہت اُداس رہتا تھا۔ آخر اُس نے اس سلسلے میں پریوں سے مدد مانگی۔ اُس نے جب پریوں کو اپنا حال سُنایا تو پریوں نے کہا کہ ایک سال کے اندر اندر تمھارے ہاں ایک بیٹا پیدا ہو گا۔

بادشاہ یہ سُن کر بہت خوش ہوا۔ پھر ایک سال کے اندر اندر بادشاہ کے ہاں ایک بچّہ پیدا ہوا۔ تینوں پریوں نے آکر شہزادے کو تحفے دیے۔

پہلی پری نے کہا، "تم دنیا کے سب سے خوب صورت شہزادے ہو گے۔"

دوسری پری نے کہا، "تم دنیا کے سب سے عقل مند اور نیک دل شہزادے ہو گے۔"

تیسری پری نے سوچا کہ ان پریوں نے دنیا کی تمام خوبیاں شہزادے کو دے دی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ مغرور ہو جائے۔ اُس نے کہا، "شہزادے، تمھارے کان گدھے کے کانوں جیسے ہوں گے تاکہ تم مغرور نہ ہو جاؤ۔"

اس کے بعد تینوں پریاں غائب ہو گئیں۔ شہزادہ بہت خوب صورت، عقل مند اور نیک دل تھا، لیکن اس کے کان گدھوں جیسے تھے۔

بادشاہ نے لوگوں سے اب تک یہ عیب چھپایا تھا۔ اُس نے اس ڈر سے بہت دن تک شہزادے کے بال تک نہ کٹوائے تھے۔ آخر اُس نے نائی کو بُلوا کر اُسے محل ہی میں رکھ لیا۔

نائی پر اس راز کا بہت بوجھ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی کو یہ راز بتا کر ہلکا ہو جاؤں۔ آخر ایک دن تنگ آ کر اُس نے ایک فقیر کو یہ راز بتا دیا۔ فقیر نے کہا، "ایک جنگل میں جا کر ایک گڑھا کھود دو اور اس گڑھے کو سب کچھ بتا دو۔ اس طرح تمھارے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔"

جس جگہ نائی نے گڑھا کھودا تھا وہاں کچھ دنوں کے بعد ایک سرکنڈا اُگ آیا۔ ایک دن ایک گڈریا وہاں سے گزرا۔ اُس نے جب سرکنڈا دیکھا تو اس کو توڑ کر اُس سے بانسری بنا لی۔ جب اُس نے بانسری بجائی تو اُس میں سے یہ آواز نکلی:

"یہی کہے ہر ایک زبان
شہزادے کے گدھے کے کان"

سارے ملک میں یہ بات پھیل گئی کہ شہزادے کے کان گدھے جیسے ہیں۔ بادشاہ غصّے میں آ گیا۔ اُس نے سوچا کہ ضرور نائی نے یہ بات بتائی ہے۔ اُس نے نائی کو پھانسی کا حکم دے دیا۔

شہزادے نے جب یہ سُنا تو اُس نے نائی کی جان بخشی کی درخواست کرتے ہوئے کہا: "ابّا جان! آپ نائی کو سچ بولنے کی سزا دے رہے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو میں اس عیب کے ہوتے ہوئے بھی رعایا کا محبوب بادشاہ ہوں گا۔"

بادشاہ کا دل پسیج گیا۔ اُس نے نائی کو معاف کر دیا۔ اچانک شہزادے کے کان بالکل صحیح ہو گئے، کیوں کہ بیڑی کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ شہزادہ واقعی خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ نیک دل بھی ہے اور یوں سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

دو خواہشیں

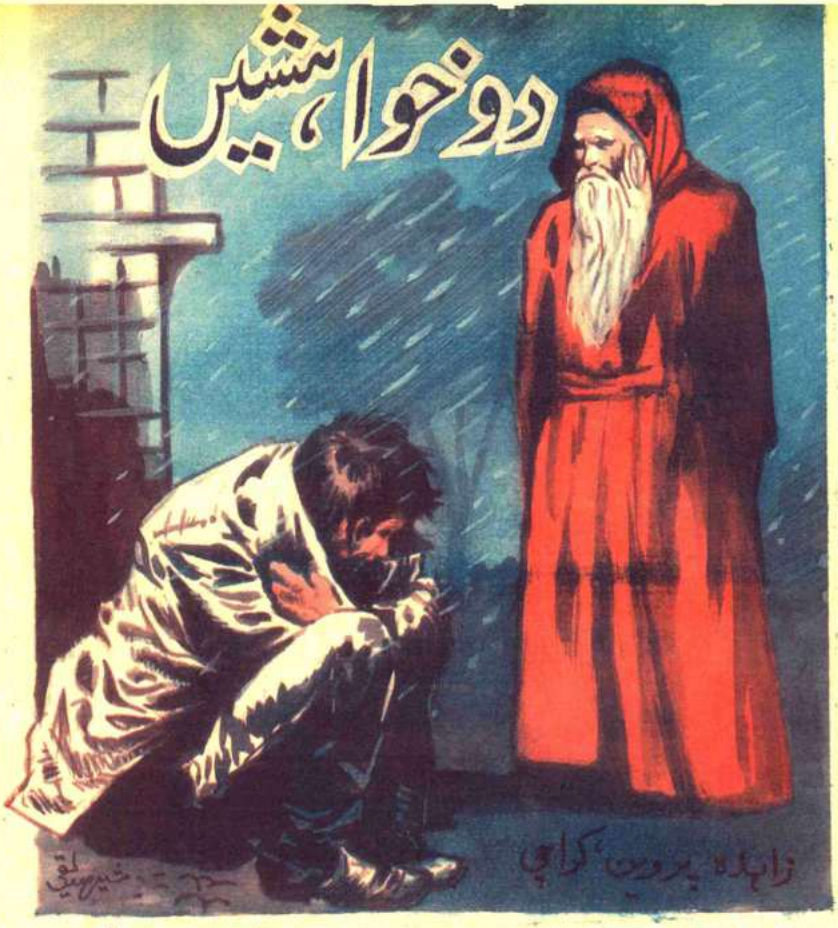

کریمو ایک غریب مچھیرا تھا۔ وہ دن بھر ندی کے کنارے بیٹھا مچھلیاں پکڑتا اور شام کو انھیں لے جا کر شہر میں بیچ کر کھانے پینے کا سامان خرید کر گھر لوٹتا۔ اس طرح غریب کریمو کے دن گزر رہے تھے۔

ایک دن کریمو ندی کے کنارے بیٹھا مچھلیاں پکڑ رہا تھا کہ اچانک تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ سائیں سائیں کرتی ہوئی ہواؤں کے درختوں سے ٹکرانے سے عجیب سا شور پیدا ہو رہا تھا۔ ندی کا پانی ہوا کے زور سے اچھل رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے خوف ناک طوفان آنے والا ہے۔ کریمو بڑا فکر مند تھا۔ اس کے تمام ساتھی طوفان سے گھبرا کر اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ اب وہاں صرف کریمو رہ گیا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے بھی گھر چلنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن وہ دوڑتا ہوا کھنڈروں میں جا پہنچا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔

کسی زمانے میں یہ بہت بڑا محل تھا جو کسی بادشاہ نے بنوایا تھا۔ اب تو صرف دیواریں باقی تھیں۔

ایک کمرا تھا جس کی تھوڑی سی چھت تھی۔ اس میں کریمو بارش سے سر چھپائے بیٹھا تھا اور بارش کے ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ بجلی چمک رہی تھی۔ بادل گرج رہے تھے۔ کریمو بڑبڑانے لگا، "اُف! یہ بارش نہ جانے کب ختم ہوگی۔ میرے بچے بھوک سے تڑپ رہے ہوں گے۔ اے اللہ! تو نے مجھے غریب مچھیرا کیوں بنایا؟ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ خود بھی فاقے کروں اور بچے بھی بھوک سے ترسیں۔ کاش میں بادشاہ ہوتا اور آرام سے زندگی گزارتا۔"

ابھی اس کی بڑبڑاہٹ ختم ہوئی تھی کہ قدموں کی آہٹ سن کر وہ چونک پڑا۔ آنے والا ایک بوڑھا آدمی تھا۔ اس کی گھنی داڑھی تھی جو برف کی طرح سفید تھی۔ لیکن بوڑھے کے کپڑے بارش سے بالکل محفوظ تھے۔ ان پر پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ بوڑھے نے آتے ہی کریمو سے سوال کیا، "میں بھوکا ہوں مجھے کچھ کھانے کو دے۔"

کریمو کے پاس دو مچھلیاں تھیں۔ اس نے بوڑھے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، "لیجیے جناب! بس یہی ہیں میرے پاس۔" بوڑھا ایک دم قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ کریمو کو ایسا لگا جیسے کوئی شیر پوری طاقت سے دہاڑ رہا ہو۔ کھنڈر اس کے قہقہے سے گونج رہے تھے۔ بوڑھے کا قہقہہ ختم ہوا تو اس نے کریمو سے کہا، "تو بڑا قسمت والا ہے۔ اگر تو اس وقت کنجوسی کرتا تو یہ تیری زندگی کی آخری رات ہوتی۔ میں تجھے اپنے ہاتھوں ختم کر دیتا۔" کریمو نے بوڑھے کی ہاتھوں کی طرف دیکھا تو کانپ اٹھا۔ بوڑھے کے ہاتھ شیر کے پنجوں کی طرح تھے۔ ان میں لمبے اور نوکیلے ناخن تھے۔ کریمو تھر تھر کانپنے لگا۔ کریمو کو کانپتے دیکھ کر بوڑھا پھر ہنسا اور بولا، "ڈرتا کیوں ہے؟ اب میں تجھے نہیں ماروں گا۔ تو نے مجھے دو مچھلیاں دی ہیں۔ میں تیری دو خواہشیں پوری کروں گا۔ جو چاہے مانگ لے۔" کریمو خوش ہو کر بولا، "مجھے غریب مچھیرے کے بجائے بادشاہ بنا دو تاکہ میں کوئی محنت کیے بغیر محل میں رہ سکوں۔ اچھے اچھے کھانے کھاؤں اور عیش کروں۔"

بوڑھے نے کہا، "اچھا، تو آنکھیں بند کر لے۔" کریمو نے جھٹ آنکھیں بند کر لیں۔

اچانک اس کے کان میں آواز آئی، "جہاں پناہ! دن چڑھ آیا ہے۔"

کریمو نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کی بیوی ملکہ کا لباس پہنے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ کریمو نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ بڑا شاندار محل تھا۔ "جہاں پناہ! آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔ کیا بات ہے؟" مچھرن (ملکہ) نے کہا۔ کریمو کے دل میں آیا کہ اس سے کہہ دے کہ میں تو ایک غریب مچھیرا ہوں، مگر پھر اس بوڑھے کا خیال آ گیا۔ وہ خوش ہو کر بولا، "اچھا، تو میری پہلی خواہش پوری ہو گئی۔ میں کتنا خوش

نصیب ہوں۔ کہاں وہ جھونپڑی، پھٹے پُرانے کپڑے اور کہاں یہ شان دار محل۔ بادشاہ بنتے ہی ساری خوشیاں میرے قدموں میں آگری ہیں۔ یہ زندگی کتنی اچھی ہے۔" ملکہ بولی "نہ جانے آپ کو کیا ہوگیا۔ فوج آپ کا انتظار کر رہی ہے تاکہ حملہ آور دشمن کے مقابلے کے لیے روانہ ہوسکے۔" کریمو گھبرا کر بولا، "فوج جاسکتی ہے۔" اس کی بیوی نے جواب دیا، "فوج تو آپ کے بغیر نہیں جائے گی۔ ہر لڑائی میں آپ اس کی قیادت کرتے رہے ہیں۔ اب آپ کو کیا ہوگیا ہے؟" کریمو آہستہ سے بولا، "بُرے پھنسے، اب تو جان کی خیر نہیں۔"

خیر ہتھیاروں سے لیس ہوکر وہ فوج کے ساتھ میدانِ جنگ میں پہنچا۔

جنگ شروع ہوئی۔ دونوں طرف کی فوجیں بہادری سے لڑ رہی تھیں۔ کریمو کی فوج کو شکست ہوئی اور اس کو گرفتار کرلیا۔ دشمن ملک کے بادشاہ نے کریمو کو پھانسی پر لٹکانے کا حکم سنادیا۔ کریمو آنکھیں بند کرکے چلّایا، "مجھے بادشاہت نہیں چاہیے۔ اے بوڑھے تو مجھے مچھیرا ہی بنادے۔"

جب کریمو نے آنکھیں کھولیں تو وہ ندی کے کنارے تھا۔ بارش تھم چکی تھی۔ کریمو خالی ہاتھ گھر کی طرف جارہا تھا اور دل ہی دل میں پچھتا رہا تھا کہ کاش میں پہلے ہی مناسب خواہش کرتا۔

نایاب موتی

دل ایک سمندر ہے۔ اس سمندر میں ایک سیپ پائی جاتی ہے اور سیپ میں ایک نایاب موتی۔ اس موتی کو حاصل کرنے کے لیے آپ محبّت کی کشتی میں بیٹھ کر اخلاق کے چپّو چلاتے ہوئے سمندر کے بیچ میں پہنچ جائیں۔ پھر محنت کی ٹوکری میں لگن کی ڈور باندھ کر پانی میں ڈال دیں اور کچھ دیر انتظار کریں۔ اس کے بعد دوڑ کھینچ کر ٹوکری باہر نکال لیں اور سیپ کو پھولوں کی نرمی سے اُٹھا کر عقیدت کے رومال میں لپیٹ لیں اور چاہت کی گرمی پہنچاتے جائیں حتیٰ کہ سیپ کا منھ کھل جائے۔ اب آپ اس نایاب موتی کو خلوص کی شبنم میں ڈبو کر آنکھوں میں سمو لیں۔ انسانیت کی روشنی جلد ہی آپ کی آنکھوں سے عیاں ہونے لگے گی۔

کامران بلوچ ضنم، اوکاڑہ

اور جن بھاگ گیا

محمد شفیع الدین نیّر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شہر جون پور میں ایک میاں بیوی رہا کرتے تھے۔ میاں تو سیدھے سادے اور نیک مزاج تھے، مگر بیوی بلا کی تیز اور بد مزاج تھی۔ لڑنے جھگڑنے کو سستے پیٹنے اور بات بات پر جوتم پیزار کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی۔ اس کی بد مزاجی سے گھر والے تو الگ رہے محلّے کا محلّہ نالاں تھا۔ میاں بے چارے کی زندگی تو اُس نے تلخ کر رکھی تھی۔

سب کچھ تھا۔ پھر بھی میاں، بیوی کا ساتھ نہ چھوڑتے تھے۔ بیوی کے ساتھ اُن کی اُلفت حماقت کے درجے تک پہنچ گئی تھی، اس لیے لوگ انھیں بدھو سمجھتے تھے اور سارے شہر میں یہ اسی نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

بیوی کوئی چیز منگاتی، میاں کتنی ہی کوشش سے کیسی ہی اچھی چیز کیوں نہ لاتے وہ

اُس کو خاطر میں نہ لاتی۔ اس میں ہزاروں کیڑے ڈالتی اور لاکھوں عیب نکالتی: "کبھی سودا ٹھیک نہیں لاتے۔ انھیں تو بس پیسہ پھینکنا آتا ہے۔ پیسے کی چیز کے چار پیسے دے آتے ہیں۔ پھر بھی ڈھنگ کی چیز نہیں ملتی۔ ان کی تو عقل ماری گئی ہے۔ نوج کوئی مَردُوا ایسا بدّھو ہو۔" یہ اور اسی قسم کی باتیں شروع ہو جاتیں تو ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔ میاں منّی کے مادھو بنے یہ سب باتیں سنتے رہتے۔ اگر کبھی تنگ آکر کوئی بول منھ سے نکالتے تو بس قیامت ہی آجاتی۔ باتوں پر بس نہ کر کے لاتوں پر اُتر آتی۔ ہاتھا پائی اور مار کُٹائی شروع کر دیتی اور وہ وہ صلواتیں سناتی کہ شیطان بھی کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتا۔ "لو! مُوا باتیں بنانے چلا ہے۔ کام کا نہ کاج کا، سیر بھر اناج کا۔ دیکھ تو سہی ابھی تجھے کیسا ٹھیک بناتی ہوں۔" یہ کہہ کر جھاڑو یا جوتا اُٹھاتی اور میاں کو مارنے دوڑتی۔ آئے دن گھر میں یہی ڈراما ہوتا رہتا۔ یہ برتاؤ اس کا کچھ میاں کے ساتھ ہی نہ تھا۔ گھر کے ہر آدمی سے بات بات پر بگڑتی۔ بات بات پر بپھرتی۔ بات بات میں ناک بھوں چڑھاتی اور بات بات میں طیش میں آتی۔ غرض بات بات پر وہ اتنا چیختی اتنا چیختی کہ گھر اور محلّہ کیا زمین اور آسمان سر پر اُٹھا لیتی۔ اس کی بدمزاجی اور شورے پُشتی کی وجہ سے بدّھو میاں کے عزیزوں اور رشتے داروں تک نے اُن کے گھر آنا جانا چھوڑ دیا تھا اور تو اور فقیر تک اس کے دروازے پر بھیک مانگنے کھڑے ہوتے اور آواز لگاتے ڈرتے تھے۔

روز روز کی چیخ پکار، روز روز کی مار دھاڑ، روز روز کی تُو تُو میں میں سے محلّے والوں کا دم ناک میں آگیا اور سب نے تنگ آکر یہ فیصلہ کیا کہ بدّھو میاں سے مکان خالی کرا لیا جائے۔ بدّھو میاں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے کہ لوگ مکان چھوڑنے پر مجبور نہ کریں مگر ان کی کچھ نہ چلی اور نہ کوئی ان کی بات مانا۔

بے چاروں نے مکان کی تلاش میں شہر کے گلی کوچوں کی خاک چھاننی شروع کی شہر میں مکانوں کی کمی نہ تھی مگر بدّھو کی بیوی کا نام سُن کر تو سب کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ سب کانوں پر ہاتھ رکھتے اور کہتے، "نا بابا! ہم کسی کرائے پر بھی یہ مکان بدّھو میاں کو نہ دیں گے۔" غرض بدّھو میاں بڑے پریشان تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کریں تو کیا

کریں اور جائیں تو کہاں جائیں۔ آخر شہر کے ایک کنارے پر جنگل کے قریب کسی مکان کا پتا ملا۔ یہ مکان کئی سال سے خالی پڑا تھا۔ اس مکان کے صحن میں شہتوت کا ایک پُرانا درخت تھا۔ اس پیر ایک جن رہا کرتا تھا۔ کوئی بھی آدمی یہ مکان لیتا تو دو چار دن میں پریشان ہو کر چھوڑ دیتا، اس لیے کہ جن اُسے طرح طرح سے ڈراتا۔ کبھی اندھیری رات میں شعلوں کی طرح اپنی آنکھیں چمکاتا، کبھی بادل کی طرح گرجتا، کبھی گھڑے مٹکوں میں چھید کر کے پانی بہا دیتا۔ کبھی گھر والوں کا سارا کھانا چٹ کر جاتا۔ کبھی اونٹ، ہاتھی، گھوڑے، بلّی، یا کتّے کی شکل میں ظاہر ہوتا۔ کبھی یہ آواز آتی، "یہ مکان میرا ہے۔ یہ پیڑ میرا ہے۔ میں اس کا مالک ہوں۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ نہیں تو سب کو چبا ڈالوں گا۔ کچّا کھا جاؤں گا۔"

بڑے بڑے سُورما آتے، بڑے بڑے دعووں سے رہتے مگر اپنی کوشش میں وہ کام یاب نہ ہوتے۔ دو چار ہی دن میں گھبرا گھبرا کر چلے جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس

مکان کو لینا ہی چھوڑ دیا۔ اس لیے کئی سال سے یہ مکان خالی پڑا تھا اور اب رہنا تو الگ رہا کوئی اس کے پاس پھٹکنے تک کا نام نہ لیتا۔

میاں بدّھو کو جب کوئی اور ڈھنگ کا مکان نہ مل سکا اور مکان والے کا تقاضا سخت ہوا تو مرتا کیا نہ کرتا، اُن کا دھیان اسی ویران مکان کی طرف گیا۔ مکان کا مالک اُن کا یہ ارادہ سُن کر بہت خوش ہوا اور بولا، "میں یہ مکان آپ کو خوشی سے دیتا ہوں۔ جب تک جی چاہے آپ اس میں خوشی سے رہیں۔ اور جتنا کرایہ دینا چاہیں دیں۔"

بدّھو میاں نے مکان کا حال سُن رکھا تھا۔ دل میں بہت ڈرے مگر کرتے تو کیا کرتے۔ انھوں نے یہ مکان لے لیا۔ اس طرح بد مزاج بیوی سے وہ محلّہ پاک اور یہ ویران گھر آباد ہوا۔

مکان مدّت سے بے مرمّت پڑا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر بیوی نے اُترتے ہی میاں کو خوب آڑے ہاتھوں لیا، "یہ گھر بھلا کہیں آدمیوں کے رہنے کے قابل ہے! یہاں تو کتّوں کو لوٹنا اور گدھوں کو بندھنا چاہیے۔" غرض وہ وہ بے نقط سُنائیں کہ توبہ ہی بھلی۔ اتنا شور مچایا اور اتنی چیخی چلّائی کہ میاں تو میاں شہتوت کے پیڑ کا جن بھی دَم بخود رہ گیا۔ اب تک تو اسے دوسروں کا اس مکان میں رہنا ناگوار تھا۔ اب خود اپنا رہنا دشوار نظر آیا۔ پھر بھی اس نے اپنے دل میں سوچا کہ چند روز رنگ ڈھنگ دیکھ لینا چاہیے۔

خیر صاحب! بیوی تو چیخنے چلّانے اور کوسنے پیٹنے میں لگی رہیں۔ میاں بے چارے نے دالانوں، کمروں اور کوٹھریوں میں جھاڑو دی۔ طاق اور دروازے صاف کیے۔ مکڑی کے جالے صاف کیے۔ صحن کی گھاس اُکھاڑی۔ غرض یہ کہ مکان کو صاف کر کے چندن بنا دیا۔

ابھی اُن کو رہتے ہوئے دو تین ہی روز گزرے تھے کہ یہ بد مزاج بیوی کسی کام سے شہتوت کے درخت کے پاس گئی۔ اچانک اس کے دوپٹّے کا پلّا ٹہنی میں اٹک گیا۔ نکالنے کے لیے ایک جھٹکا جو دیا تو اس میں ایک کھونتا لگ گیا۔ اب کیا تھا۔ آئے تو جائے کہاں۔ ہزاروں گالیاں جن اور درخت کو دے ڈالیں۔ کہنے لگی، "یہ مُوا جن کسی کو اس

مکان میں نہیں رہنے دیتا۔ مگر میں تو اس کی چھاتی پر مونگ دَلوں گی اور خون پی کر دَم لوں گی۔ یہ مجھے سمجھا کیا ہے۔ لے کر میرا دوپٹا پھاڑ دیا۔" اس طرح بُرا بھلا کہتی اور گالیاں دیتی اندر گئی اور چمڑے کا ایک بڑا سا تسمہ اُٹھا لائی اور پیڑ کے تنے کو اتنا مارا اتنا مارا کہ اس کی چھال اُدھڑ کر گر گئی۔ یہ دیکھ کر تو جن کے بھی ہوش اُڑ گئے۔ اس کے دِل پر عجب ہراس طاری ہو گیا۔ اس نے کہا، "اس عورت کے ہاتھ سے بچنا مشکل ہے۔ خیر اسی میں ہے کہ اب اس گھر کو خیر باد کہوں اور اپنی جان بچا کر بھاگوں۔" یہ سوچ کر جن گھر سے نکلا اور شہر سے باہر نکل کر سڑک کے کنارے ایک اونچے سے ٹیلے پر بیٹھ گیا۔

میاں باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ گھر میں لوٹ کر جو آئے تو بیوی ان پر بھی برس پڑی۔

"موٹے کو کوئی اور مکان نہ جُڑا۔ اس کھنڈر میں لا کر ڈال دیا۔ جس میں آسیب کا خلل ہے۔ آج بد ذات نے میرا دوپٹا پھاڑ ڈالا، کل وہ میری جان لے کر چھوڑے گا۔" جن تو نظر سے غائب تھا مگر میاں حاضر تھے۔ گھر کی جھاڑو اُٹھا کر جو اُن کی خبر لی ہے تو بے چارے بدّھو کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ ان سے بھی جس طرح ہو سکا گھر سے نکل کر بھاگے اور ارادہ کر لیا کہ اس گھر میں اب کبھی نہ آئیں گے۔ یہ سوچ کر شہر سے نکلے۔ سوچ رہے

تھے کہ جائیں تو کہاں جائیں۔ سڑک پر چلے جا رہے تھے کہ چن اپنی اصل شکل میں ٹیلے پر بیٹھا نظر آیا۔

چن کو دیکھ کر تو بدّھو میاں کے رہے سہے ہوش بھی جاتے رہے۔ چن بھی اس بات کو بھانپ گیا اور بولا، "ڈرو مت۔ میں بھی تمھاری طرح تمھاری بیوی کا ستایا ہوا ہوں۔ میں وہی چن ہوں جو تمھارے گھر میں رہتا تھا۔ شہتوت کے پیڑ پر۔ تمھاری بیوی نے دو چار ہی دن میں میرا ناک میں دَم کر دیا۔ اب یہ گھر میں نے ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا ہے۔"

میاں بدّھو بھی جی کڑا کر کے بولے، "تمھاری ہی وجہ سے تو مجھ پر بھی آج بے بھاؤ کی پڑی ہیں۔ میں نے بھی سوچا ہے کہ اب کبھی اس شہر میں نہ آؤں گا اور اس کم بخت کو اپنا منھ نہ دکھاؤں گا۔"

چن نے کہا، "بس تو پھر کیا ہے۔ ہم دونوں ایک ہی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ آؤ آپس میں دوست بن جائیں اور ساتھ ساتھ قسمت آزمائی کریں۔"

میاں بدّھو یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور آپس میں دوستی کا قول و قرار کر کے آگے بڑھے۔ دونوں چلتے چلتے بنارس پہنچ گئے۔ میاں بدّھو بہت بھوکے تھے۔ انھوں نے گھر میں لڑائی جھگڑے کی وجہ سے کئی دن سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ بولے، "بھئی! مجھے تو بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے اور مزہ یہ ہے کہ پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔"

چن بولا، "دوست! ابھی تدبیر کرتا ہوں۔ دیکھو وہ جو اونچی سی حویلی ہے نا! اس میں ایک مہاجن رہتا ہے۔ میں اس کے لڑکے پر سوار ہو جاؤں گا۔ تم نیلے کپڑے پہن لو اور مہاجن پر یہ بات ظاہر کرو کہ تم بڑے عالم ہو اور چن بھوت کو اُتارنے میں کمال رکھتے ہو۔ مہاجن مجبور ہو کر تم سے اپنے بیٹے کا علاج کرائے گا۔ اس وقت تم جتنی بھی رقم چاہو گے وہ تمھیں دے دے گا۔ تم جب میرے سامنے آؤ تو یہ بول دہرانا:

جل تُو جلال تُو ہے با کمال تُو
رَد کر وبال تُو اِس چن کو ٹال تُو
اس چن کو ٹال تُو

پھر کہنا، اے جن! میں تجھے حضرت سلیمان کی قسم دیتا ہوں تو اس لڑکے کو چھوڑ دے اور چلا جا، چھوڑ دے اور چلا جا، چھوڑ دے اور چلا جا، میں یہ سُنتے ہی چلا جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ جن جھٹ بدھو میاں کی نظر سے غائب ہو گیا اور مہاجن کے لڑکے پر آکر اس کو دیوانہ سا بنا دیا۔ جن کا اثر ہوتے ہی وہ لڑکا بہکی بہکی باتیں کرنے اور اول فول بکنے لگا۔ اُس نے اپنے سر کے بال بکھیر دیے۔ کپڑے پھاڑ ڈالے۔ گھر والے یہ حال دیکھ کر گھبرا گئے۔ ڈاکٹر آئے، حکیم آئے، وید آئے۔ مگر اس کا مرض کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اتنی دیر میں میاں بدھو بھی وہاں پہنچ گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا ماجرا ہے؟

لوگوں نے قصہ بیان کیا اور کہا، "ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑکے پر آسیب کا خلل ہے۔"

میاں بدھو بولے، "یہ بات ہے! خلل کا علاج تو میں بھی کرتا ہوں اور ایسا کہ شاید ہی کوئی اور کرتا ہو۔" ہوتے ہوتے مہاجن تک یہ بات پہنچ گئی۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ اس نے انھیں بُلایا۔ بڑی عزت سے بٹھایا اور علاج کرنے کو کہا۔ انھوں نے پہلے تو اِدھر اُدھر کی باتیں ملائیں اور پھر وہی منتر پڑھا اور کہا، "اے جن! میں تجھے حضرت سلیمان کی قسم دیتا ہوں کہ تُو اس لڑکے کو چھوڑ دے اور چلا جا۔ چھوڑ دے اور چلا جا،

چھوڑ دے اور چلا جا۔"

یہ سنتے ہی جن بولا، "اچھا ہم جاتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ اب کبھی نہ آئیں گے اور بھول کر بھی اس لڑکے کو نہ ستائیں گے۔"

جن کا اثر دُور ہوتے ہی لڑکا ٹھیک ہو گیا۔ مہاجن بہت خوش ہوا اور اس نے ایک ہزار رُپے بدّھو میاں کو دیے۔ اب کیا تھا۔ ایک مکان کرائے پر لے کر بدّھو میاں اور جن ساتھ ساتھ رہنے لگے۔

عرصے تک یہ دونوں اسی طرح رہتے رہے۔ ایک دن جن باہر سے آیا۔ بڑا خوش تھا۔ اس نے بدّھو میاں سے کہا، "بھیّا، میں نے آج یہاں کے راجا اور راج منتری کی لڑکیوں کو دیکھا ہے۔ دونوں حُسن و جمال میں آفتاب و مہتاب کو مات کرتی ہیں۔ راج منتری کی لڑکی سے تم شادی کر لو اور راج کُماری سے میں۔"

بدّھو میاں بولے، "بھئی! تم کو اختیار ہے۔ میں شادی وادی کے چکّر میں نہیں پڑنا چاہتا۔ ہاں کچھ رُپیہ اور مل جائے تو کام چلے کہ باقی عمر آرام سے بسر ہو جائے، مگر ایسا ہو تو کیوں کر ہو؟"

جن بولا، "اجی یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ میں پہلے تو راج منتری کی لڑکی کے سر پر جاؤں گا۔ تمھاری شہرت اس شہر میں اب کافی ہے۔ راج منتری تمھارے پاس آئے گا اور اپنی لڑکی کے علاج کے لیے کہے گا۔ تم اس سے ایک ہزار اشرفیوں سے ایک پائی بھی کم نہ لینا۔ اس طرح تمھاری آرزو پوری ہو جائے گی اور تمھارا کام بن جائے گا۔ پھر میں راج کماری کے سر پر آؤں گا اور اسے اپنے قابو میں کر لوں گا۔ مگر دیکھو تم راج کماری کے علاج کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔ ورنہ اُسی وقت چھاتی پر چڑھ کر تمھارا خون پی جاؤں گا۔"

میاں بدّھو اس بات پر رضا مند ہو گئے۔ دوسرے ہی دن سارے شہر میں یہ بات پھیل گئی کہ راج منتری کی کنیا (بیٹی) پر بھوت آگیا اور آسیب کا خلل ہو گیا ہے۔ راج منتری نے سب ہی تو علاج کیے مگر کچھ نہ ہوا۔ ہار کر میاں بدّھو کو بُلایا انھوں نے کہا کہ اگر آپ مجھے ایک ہزار اشرفیاں دیں تو میں اس آسیب کو اُتار سکتا ہوں۔

راج منتری اس پر رضامند ہو گیا۔ لڑکی بدّھو میاں کے سامنے آئی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں لال تھیں اور وہ اپنے کپڑے پھاڑ رہی تھی۔ کسی کے قابو میں نہ آتی تھی۔ بدّھو میاں نے اپنا وہی منتر بڑبڑایا جن چلا گیا۔ لڑکی تن درست ہو گئی۔ بدّھو میاں کو اُسی وقت ایک ہزار اشرفیاں مل گئیں۔ اب تو یہ اچھے خاصے امیر آدمی ہو گئے اور آرام سے رہنے لگے۔

اس بات کو ابھی دس پانچ ہی دن ہوئے ہوں گے کہ جن نے راج کماری پر اپنا اثر ڈالا۔ راج محل میں تہلکا مچ گیا۔ راجا کے لیے کس بات کی کمی تھی۔ نامی گرامی حکیم اور مشہور مشہور ڈاکٹر اور بڑے بڑے وید بُلائے گئے۔ چند ہی روز میں لاکھوں رُپے خرچ ہو گئے مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ جن اُترنا تھا نہ اُترا۔ آسیب کا خلل جانا تھا نہ گیا۔

راج کماری راجا کی اکلوتی بیٹی تھی۔ وہ اس کو بہت ہی عزیز تھی۔ راجا ہر قیمت پر اس کی جان بچانا اور اسے تن درست دیکھنا چاہتا تھا۔

اس نے اعلان کیا کہ جو شخص بھی راج کماری کو اچھا کر دے گا وہ ہمارے آدھے راج کا مالک ہو گا۔

یہ سُن کر تو بدّھو میاں کے منھ میں پانی بھر آیا۔ مگر جان کے ڈر سے انھیں کچھ کرتے اور اس جن کے اُتارنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ جب مُلّا سیانے ہار گئے اور سارے نقش، خلیتے اور تعویذ گنڈے بھی بے کار گئے تو راجا بہت گھبرایا اور اس نے سوچ لیا کہ شاید اب راج کماری کی قسمت ہی میں اچھا ہونا نہیں لکھا۔

ایک دن دربار میں اسی قسم کی باتیں ہو رہی تھیں کہ راج منتری بولا "مہاراج! یہاں ایک شاہ صاحب آئے ہوئے ہیں۔ دیکھنے میں تو وہ کچھ یوں ہی ہیں مگر آسیب اُتارنے میں اُن سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ انھیں بھی بُلا کر دیکھیے۔ وہ میری بیٹی کے سر سے بھی یہ خلل دُور کر چکے ہیں۔"

راجا نے میاں بدّھو کو بُلایا مگر یہ نہ گئے۔ انھیں ڈر تھا کہ یہ گئے اور جن نے ان کا کام تمام کیا۔ جب بار بار بُلانے پر بھی نہ گئے تو راجا نے فوج کے کچھ سپاہی بھیجے

اور انھیں حکم دیا کہ سیدھی طرح نہ آئیں تو پکڑ لاؤ اور صاف صاف کہہ دو کہ تم نے راج کماری کو اچھا نہ کیا تو تمھاری گردن مار دی جائے گی۔

بدّھو میاں نے یہ دھمکی سُنی تو بہت چکرائے۔ ان کے ہاتھوں کے توتے اُڑ گئے۔ اِدھر کنواں اُدھر کھائی۔ اب کریں تو کیا کریں، جائیں تو کہاں جائیں اور اپنے تئیں بچائیں تو کس طرح بچائیں۔ انھوں نے لاکھ ہاتھ پاؤں مارے مگر سپاہی کب چھوڑنے والے تھے۔ وہ ان کو لے چلے۔ انھوں نے سوچنا شروع کیا۔ تھے تو نرے بدّھو مگر سوچتے سوچتے ایک ترکیب ان کے ذہن میں آگئی۔ اب ذرا ان کے دل کو اطمینان ہوا۔ راجا کے پاس پہنچے۔ راجا ان کو اپنے ساتھ راج کماری کے پاس لے گیا۔

اسے دیکھتے ہی راج کماری کی آنکھیں مارے غصّے کے اُبلنے لگیں۔ ان میں سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح بل کھاتے ہوئے بولی، "ہوں! تو اور یہ ہمّت! یہاں آنے کا حوصلہ! تیری بے وقوفی اور گستاخی کا ابھی مزہ چکھاؤں گا۔"

بدّھو میاں نے ہاتھ باندھ کر کہا، "سرکار! میں ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ بس ایک بات سُن لیجیے۔ پھر جو چاہے کیجیے۔"

راج کماری بولی، "اچھا کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ اگر زیادہ باتیں بنائیں تو تیری گردن ابھی کھٹ سے اُڑا دی جائے گی۔"

بدّھو میاں نے سب کو ہٹا دیا۔ پھر انھوں نے بڑی مسمسی صورت بنائی اور ڈرتے جھجکتے راج کماری کے پاس پہنچے اور اس کے کان کے قریب منھ لے جا کر بولے:

"بھئی! تم نے میرے ساتھ بڑی بھلائی کی ہے۔ میرا جی نہ مانا کہ اس بھلائی کا بدلا نہ دوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم راج کماری کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔ میں تو بس یہ کہنے آیا ہوں کہ مجھے ڈھونڈتی ہوئی میری بیوی یہاں آچکی ہے۔ اور وہ اب یہاں آیا ہی چاہتی ہے۔ جان بچانی ہے تو بھاگو۔ آئندہ تمھیں اختیار ہے۔"

یہ سُننا تھا کہ راج کماری کا چہرہ فق ہو گیا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ آہ کہہ کر چن دُم دبا کر بھاگا۔ اس کی آواز سے راج محل ہل گیا۔ تھوڑی سی دیر میں راج کماری اچھی ہو گئی اور ہنسی خوشی جیسے رہا کرتی تھی رہنے لگی۔ راجا بہت خوش ہوا۔ اس نے بدّھو میاں کو آدھا راج دے دیا۔

اور اتنی دولت دی کہ ان کی سات پُشتیں بیٹھ کر کھائیں۔
کچھ دن کے بعد بیوی کی یاد نے بڈھو کو ستایا اور وہ ان کے پاس جا پہنچا۔ بیوی بھی اپنی بدمزاجی کی وجہ سے بہت تنگی اُٹھا چکی تھیں اور ان کو اپنی اس بُری عادت کی کافی سزا مل چکی تھی۔ انھوں نے اتنی دولت بھی دیکھی۔ پھر کیا تھا بیوی کی باچھیں کھِل گئیں۔ اور دونوں میاں بیوی ہنسی خوشی رہنے لگے۔

شاعر: غافل کرنالی

عیدِ قرباں آئی

مرسلہ: جاوید حکیم خاں کھوکھر

آئی آئی عید ہے آئی
اپنے ساتھ بہاریں لائی

رنگ برنگے سُوٹ پہن کر — بچّے نکلے ہیں بن ٹھن کر
عید نے کیسی دھوم مچائی — آئی آئی عید ہے آئی
سب خوشیوں کے نغمے گائیں — لڈّو اور جلیبی کھائیں
موسم نے انگڑائی لی ہے — گھر کے اندر عید آئی ہے
وہ نکلا خورشید مبارک — عید مبارک عید مبارک
ہم نے عیدی خوب اُڑائی — آئی آئی عید ہے آئی
گھر سے نکلے آنکھ بچا کر — چُپکے سے بازار میں جا کر
ہم نے عیدی خوب اُڑائی — آئی آئی عید ہے آئی
عید ہے یہ قربانی والی — قورمہ اور بریانی والی
جی بھر کے بریانی کھائی — آئی آئی عید ہے آئی
گائے بچھڑا دُنبہ بکرا — گلی گلی میں سج کر نکلا

لائیں کہاں سے آج قسائی
میرے بھائی، میرے بھائی

جدّت و بصیرت

یو۔بی۔ایل نے اپنی ۱۶۰۰ سے زائد مقامی و بیرونی شاخوں و دفاتر
اور وسیع تجربے کی مدد سے بیرونِ ملک منڈیوں سے واقفیت کو اس طرح یکجا
کرلیا ہے کہ اپنے کرم فرماؤں کو بہترین تجارتی معلومات، ضروری سہولتیں
بروقت بہم پہنچانا اور ضرورت کے مطابق ان کے مابین رابطے کا اہم فریضہ انجام دینا
اس کا امتیازی نشان بن گیا ہے

یونائیٹڈ بینک درآمدات اور برآمدات کے لئے سرمائے کی فراہمی، غیر ملکی کرنسی میں قرضہ جات،
آئی ڈی اے قرضہ جات، چھوٹے قرضہ جات، زرعی قرضہ جات، غیر ملکی و ملکی ضمانتیں،
ترسیلاتِ زر اور ماہرانہ مشاورتی خدمات بہم پہنچاتا ہے۔

یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ

— آپ کی خدمت کے لئے کوشاں

یک خلوی حیوانات اور بیماریاں

ڈاکٹر منظور احمد

پروٹوزوا یعنی یک خلوی حیوانات اس قدر اس قدر ناچیز اور معصوم نہیں جس قدر وہ دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو انسانوں اور حیوانوں میں مہلک (ہلاک کرنے والی) بیماریاں پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو سرسری طور پر دیکھنے کے بجائے مناسب ہے کہ گہری نظر سے جائزہ لیا جائے اور ان پہلوؤں کو واضح کیا جائے، جو انسانوں اور حیوانوں کی صحت کے لحاظ سے اہم ہیں۔

بغیر کسی شک کے کہا جاسکتا ہے کہ ملیریا سب سے خوف ناک بیماری رہی ہے۔ برِعظیم پاک و ہند کی تاریخ میں لاکھوں آدمی ملیریا سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ جنگِ عظیم دوم کے بعد دنیا میں ایک سال میں ۳۵ کروڑ انسان ملیریا بخار کی زد میں آئے اور ان میں سے ساڑھے تین کروڑ موت کا شکار ہو گئے۔ ماضیِ بعید کی کچھ تہذیبیں اور مشہور جرنیلوں کے لشکر ملیریا کے ہاتھوں مات کھا گئے۔ کہنے کو تو ملیریا کے انگریزی نام کا مطلب ہے "خراب ہوا"، لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب خوردبین ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ اب یہ ہر شخص جانتا ہے کہ ملیریا بخار کا باعث ایک یک خلوی حیوان ہے، جس کا نام پلازموڈیم (PLASMODIUM) ہے۔ پلازموڈیم انسانی خون میں رہتا ہے اور خون کے سُرخ ذرّوں کو اپنی خوراک بناتا ہے۔ اس قدر تیزی سے بڑھتا ہے کہ ہر ۴۸ گھنٹے کے بعد، تقسیم در تقسیم کے ذریعہ سے لاکھوں نئے پیدا شدہ پلازموڈیم خون میں داخل ہو جاتے ہیں اور خون کے نئے ذرّوں پر حملہ کرتے ہیں۔ اس وقت انسانی جسم یکایک کم زوری محسوس کرتا ہے۔ جسم کی حرارت کم ہونے لگتی ہے۔ سردی سے جسم کانپنے لگتا ہے اور تیز بخار ہو جاتا ہے۔ چوں کہ پلازموڈیم خون میں ہوتا ہے، اس لیے یہ آنت کے راستے سے جسم سے باہر نہیں نکلتا بلکہ اگر علاج نہ کیا جائے تو اندر ہی اندر خون میں گردش کرتا رہتا ہے اور تیزی سے بڑھتا رہتا ہے۔ آبادیوں میں ملیریا اُس وقت پھیلتا ہے جب کسی بیمار انسان کے خون میں سے پلازموڈیم کسی صحت مند انسان کے خون تک پہنچے۔ اس مقصد کو مچھر کی قسم 'انوفلیز'

(ANOPHELES) بہت اچھے طریقے سے پورا کرتی ہے اور یہ کام بہت حد تک مچھر کی بے خبری میں ہوتا ہے۔ مچھر کی عادت ہے کہ جب وہ کسی انسان کا خون چوستا ہے تو پہلے انسانی جسم میں اپنے مُنھ کا لعاب داخل کرتا ہے۔ اگر مچھر ملیریا کے کسی مریض کا خون چوسنے کے بعد کسی صحت مند انسان کا خون چوسے گا تو وہ پلازموڈیئم جو کسی بیمار کے خون سے مچھر نے حاصل کیے ہوں گے۔ انھیں مُنھ کے لعاب کے ساتھ صحت مند آدمی کے جسم میں داخل کر دے گا۔ جہاں پلازموڈیئم خود ہی افزائش کر کے اپنی نسل بڑھالیں گے۔ آخر میں صحت مند انسان بھی نہ صرف خود ملیریا بخار میں مبتلا ہو جائے گا، بلکہ صحت مند انسانوں میں بھی ملیریا پھیلانے کا باعث بنے گا۔ یاد رہے کہ ملیریا کی بیماری صرف مادہ مچھر ہی پھیلا سکتی ہے، کیوں کہ صرف وہی خون پیتی ہے۔ نر مچھر خون کو بطور غذا استعمال نہیں کرتا۔

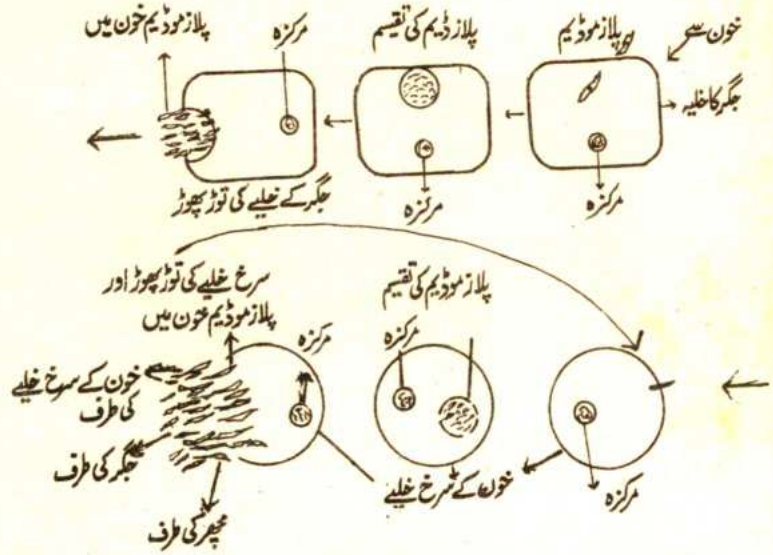

شکل ۱: پلازموڈیئم کی افزائش (انسانی جگر اور خون میں)

نیند کی بیماری جس نے سینکڑوں سالوں تک افریقہ کے بعض حصّوں میں یورپیوں کو آباد ہونے سے روکے رکھا، اُس کی وجہ بھی ایک یک خلوی حیوان تھا جس کا نام ٹرائی پینوسوم (TRYPANOSOME) ہے۔ اس صدی کے ابتدائی سالوں میں کچھ بہادر سیّاحوں نے جب ہمّت کرکے وسطی افریقہ کے ممالک یوگنڈا، زائرے، تنزانیہ، روڈیشیا وغیرہ کے دورے کیے تو انھوں نے سیکڑوں حیوانوں اور انسانوں کو اسی نیند کی بیماری کے باعث لڑکھڑاتے اور نیم مردہ حالت میں دیکھا۔ عام طور پر ایک بیمار انسان یا حیوان سے یہ بیماری کسی صحت مند تک خون چُوسنے والے کیڑے مکوڑوں یا دوسرے حیوانات کے ذریعہ سے پہنچتی ہے۔ گھوڑے اور اونٹ میں نیند کی بیماری گھوڑا مکھی (HORSEFLY) کے کاٹنے سے پھیلتی ہے۔ بھیڑوں میں ان کی جُوؤں کے ذریعہ سے اور مچھلیوں میں جونکوں کے کاٹنے سے پھیلتی ہے۔ اسی طرح جب کسی نیند کے مریض کو سی سی مکھی (TSETSEFLY) کاٹتی ہے تو خون کے ساتھ مریض میں سے ٹرائی پینوسوم بھی مکھی کے مُنھ میں آجاتے ہیں۔ یہی مکھی جب پھر کسی صحت مند انسان کے کاٹتی ہے تو اُس کا خون چوسنے سے پہلے اس انسان کے خون میں اپنا لعاب بھی داخل کرتی ہے۔ ٹرائی پینوسوم اسی لعاب کے ذریعہ سے صحت مند انسان کے خون میں داخل ہوجاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس انسان میں نیند کی بیماری کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔ پہلے گردن پر گلٹیاں بنتی ہیں۔ پھر وقفے وقفے سے بخار آنے لگتا ہے۔ کچھ دن کے بعد ٹرائی پینوسوم خون سے دماغ میں چلے جاتے ہیں اور مریض چڑچڑا ہوجاتا ہے۔ ہوش و حواس میں کمی ہونے لگتی ہے۔ پُرانے زمانے میں افریقی قبیلوں کے سردار نیند کی بیماری کو لاعلاج سمجھتے تھے۔ اس لیے جُوں ہی کسی صحت مند آدمی میں اس بیماری کی پہلی علامتیں ظاہر ہوتی تھیں تو وہ اسے غیر ملکی (یورپی) تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔ تاجر ایسے مریضوں کی چڑچڑاہٹ کو غصّہ اور بغاوت سمجھتے تھے اور ہوش و حواس کی گرتی ہوئی حالت کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ یہ جان بُوجھ کر سُستی سے کام کرتے ہیں۔ وہ انھیں بے رحمی سے کوڑے مارا کرتے تھے، لیکن ٹرائی پینوسوما کی زد میں آئے ہوئے مریض کی حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی۔ مزید کچھ دنوں کے بعد ایسے مریض کا جسم جگہ جگہ سے پھُولتا اور سُوجتا جاتا۔ جسمانی

طاقت ختم ہونے لگتی اور کم زوری کی وجہ سے نیم بے ہوشی کی حالت ہو جاتی۔ یہاں تک کہ وہ خوف ناک وقت آپہنچتا کہ مریض اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ لڑکھڑا کر گرتا اور کئی ماہ کی دردناک تکلیف کے بعد بے ہوشی کی حالت میں جان دے دیتا۔ پُرانے زمانے میں بے رحم یورپی تاجر ایسی حالت کے مریضوں کو جنگلی جانوروں کے شکار کے لیے کسی جگہ پھینک کر آگے چل دیتے تھے۔ کچھ جرمن سائنس دانوں نے ۱۹۱۶ء میں اس بیماری کا علاج دریافت کیا اور آخر ۱۹۲۰ء سے ایسے مریضوں کا کام یابی سے علاج شروع ہوا۔

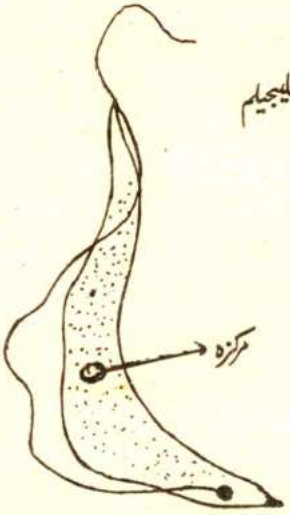

شکل ۲ ٹرائی پینوسوم

اگرچہ انسان کے جسم میں متعدد قسم کے امیبا (AMOEBA) (بدلو) رہتے ہیں، لیکن ان میں سے ایک قسم خونی یا امیبائی پیچش (AMOEBIC DYSENTRY) کی خطرناک بیماری پیدا کرتی ہے۔ امیبا (بدلو) کی اِس قسم کا انگریزی نام (ENTAMOEBA HISTOLYTICA) ہے۔ جو شخص بھی اس مرض کا شدّت سے شکار ہو جاتا ہے، پیچش کے امیبا اُس کی آنت میں بڑی تعداد میں موجود ہوتے ہیں، جہاں وہ آنت کی دیواروں میں داخل ہو کر اندرونی جھلّیوں کو کاٹ دیتے ہیں۔ اس سے آنت میں خون بہنے لگتا ہے اور پاخانے کے ساتھ شامل ہو کر جسم سے باہر نکل جاتا ہے۔ ایسے مریضوں کے پاخانے کا معائنہ خُردبین

کے ذریعے کیا جائے تو اس میں بھی پیچش کے امیبا نظر آئیں گے۔ جسم کے اندر یہ امیبا آنت سے خون کی نالیوں میں داخل ہو کر دورانِ خون کے ساتھ جگر، پھیپھڑوں، دماغ اور جلد کے دوسرے حصّوں تک جا پہنچتے ہیں اور وہاں بھی زخم پیدا کر دیتے ہیں۔ انسانی آنت سے باہر نکلنے والے خونی پیچش کے امیبا اپنے اردگرد ایک خول بنا لیتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ امیبا لمبے عرصے تک زندہ رہتے ہیں اور گندے پھل یا سبزی کھانے والے انسانوں کے پیٹ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ خول کی حالت میں یہ امیبا مختلف کیڑے مکوڑوں (حشرات) مثلاً مکھی، جھینگر، لال بیگ کے جسموں کو بھی لگ کر چپک جاتے ہیں اور جب کبھی یہ کیڑے مکوڑے انسانی خوراک کو چھوتے ہیں تو خول میں بند امیبا خوراک سے چپک جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی انسانی آنت میں چلے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ امیبا (بدلو) ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہنچنے کے لیے پانی، گندے پھل اور سبزیاں یا مکھی، لال بیگ کا سہارا لیتے ہیں۔ دنیا میں جب کبھی بھی خوف ناک خونی پیچش کی وبا پھیلی ہے، ہمیشہ ناصاف پانی اس کا سبب ہوا ہے جس کے اندر گندگی ملنے سے امیبا کئی ہفتوں تک زندہ رہ سکتے ہیں۔

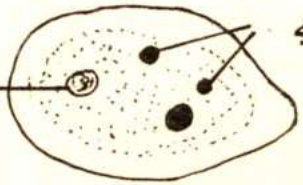

شکل ۳: خونی پیچش کا امیبا

ہم نے نمونے کے طور پر تین ایسی خوف ناک بیماریوں کا ذکر کیا ہے جو یک خلوی حیوانات کی انسانی جسم کے اندر موجودگی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح کی کئی اور بیماریاں ہیں انسان یا دوسرے حیوانات میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حیوانات بظاہر اپنی جسامت (سائز) کے لحاظ سے بہت چھوٹے ہیں لیکن اپنی اہمیت کے لحاظ سے کسی سے کم نہیں۔

اخبارِ نونہال

پیٹ کا درد

نیوزی لینڈ کے جیل میں ایک نوجوان نے پیٹ کے درد کی شکایت کی۔ سرجن نے اپریشن کر کے اس کے پیٹ سے پانچ چھوٹے چمچے، تین چھریاں، تین کیلیں، دو چھریوں کے بلیڈ، ایک قلم اور تار کے دو ٹکڑے نکالے۔

مرسلہ: محمد عرفان میمن، سکھر

اٹھارہ سال کے بعد

دنیا کا ایک ٹیسٹ کرکٹر ایسا تھا جس نے ایک ٹیسٹ کے بعد دوسرا ٹیسٹ میچ اٹھارہ سال بعد کھیلا۔ یہ کھلاڑی انگلینڈ کا جارج گن تھا جس نے اوسٹریلیا کے خلاف اپنا پہلا ٹیسٹ میچ ۱۹۱۲ء-۱۹۱۱ء میں کھیلا اور دوسرا میچ ۱۹۳۰ء-۱۹۲۹ء میں ویسٹ انڈیز کے خلاف کھیلا۔ ان دونوں ٹیسٹ میچوں کے درمیان اٹھارہ برس کا وقفہ تھا۔

مرسلہ: شیخ محمد جاوید، کراچی

وہاں مسلسل بارش ہوتی رہتی ہے

یہ جنوبی امریکا میں دریائے پیران کے ساحل پر برازیل کے نزدیک دنیا کا خوف ناک ترین مقام ہے۔ جب سے دنیا ظہور میں آئی ہے وہاں مسلسل بارش ہو رہی ہے۔ گوائر آبشاروں سے جو پانی کے بھپکے اُڑتے ہیں، ان کو ہوا اپنے دوش پر سوار کر کے ساحل پر لے آتی ہے۔ یہاں پر ابخرات کثیف ہو کر برس پڑتے ہیں۔ اس لیے یہاں مسلسل بارش ہوتی رہتی ہے۔

مرسلہ: انیلا یوسف بھٹی، کراچی

بڑی بات

مجیب ظفر انوار

اس وقت ہم سب بہن بھائی پپّا کے گرد اس طرح جمع تھے جیسے الیکشن میں کسی حلقے کے جیتے ہوئے اُمیدوار کے گرد اس کے ووٹرز۔ بہرحال مقصد ہم سب کا ایک ہی تھا اور اسی مقصد کے پیشِ نظر ہم سب پپّا کے گرد جمع ہو کر بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے تھے اور پپّا بجائے ناراض ہونے کے بڑے سکون سے ہماری باتیں سُن رہے تھے۔ وہ بے چارے اور کر بھی کیا سکتے تھے؟ گزشتہ ایک ڈیڑھ گھنٹے سے وہ صوفے پر دراز ہمارے مطالبے اور وزنی دلیلیں سُن رہے تھے۔

ہمارے اس مجمع سے کچھ دُور بستر پر امّی جان بیٹھی ہمارا اجلاس منعقد ہوتے دیکھ رہی تھیں۔ امّی جان سے چند گز فاصلے پر دادی اماں گاؤ تکیے کے سہارے دراز تھیں اور وقفے وقفے سے اپنے بٹوے سے چھالیہ نکال نکال کر منھ میں ڈال رہی تھیں۔

زبیر نے مٹھیاں بھینچ کر جوشیلے لہجے میں کہا، "پپّا.... بس بکرا ایسا ہونا چاہیے کہ دنیا دیکھتی رہ جائے۔"

پپّا نے جواب دینے کے لیے مُنھ کھولا ہی تھا کہ دادی اماں بول پڑیں:

"اے لڑکے، تُو قربانی اللہ کی راہ میں کر رہا ہے یا دنیا والوں کے دکھانے کے لیے"، دادی جان کی بات سُن کر ہم سب نے بُرے بُرے منھ بنائے سوائے امّی اور پپّا کے۔

"افوہ .... دادی جان! آپ کو نہیں پتا آج کل اسی کی عزّت ہے جس کا قربانی کا جانور زیادہ موٹا اور صحت مند ہو"، ہم بولے۔

عالیہ نے رائے دی، "اگر یہ بات ہے تو پھر مُرغی سب سے بہترین ہے"، یہ سُن کر پپّا مسکرا کر بولے:

"میرے بچّو! قربانی صرف چوپائے کی جائز ہے ...."

پپّا کی بات سُن کر زبیر نے حسرت بھری نگاہیں ہم پر ڈالیں۔ ہم نے گھور کر پوچھا، "کیا ہے .... ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

زبیر حسرت بھرے لہجے میں بولا، "ظفری .... کاش .... تمھارے دو پیر اور ہوتے"

"کیا مطلب؟" ہم نے تعجب سے پوچھا۔

"تم نے شاید پپّا کی بات پر غور نہیں کیا کہ قربانی صرف چوپائے کی جائز ہے یعنی چار پیروں والے جانور کی ...."

اب یہ جُملہ سُن کر ہماری سوئی عقل نے کام کیا تو ہم فوراً چیخ اُٹھے: "پپّا! دیکھا آپ نے! زبیر ہمیں جانور کہہ رہا ہے"

"کہنے دو .... کہنے دو .... کیا فرق پڑتا ہے؟" پپّا بے خیالی میں بول پڑے مگر فوراً ہی چونکے اور عینک درست کرتے ہوئے زبیر کو گھور کر بولے، "زبیر! بڑے بھائی کو جانور کہتے ہوئے تمھیں شرم آنی چاہیے۔ تم تین ہو مگر آپس میں ہمیشہ تاتاری فوج کی طرح سلوک کرتے ہو"

"پپّا شرم تو اپنے وقت پر آجائے گی پہلے بکرا تو آجائے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ بقرعید میں صرف دو دن رہ گئے ہیں۔ اور وہ پڑوس کے احمد صاحب تو ...."

امی جان نے زبیر کی بات کاٹ کر تیز لہجے میں کہا، "افوہ .... افوہ .... اللہ کے واسطے

چُپ ہو جاؤ زبیر۔ صبح سے تم ہزار بار سب کو بتا چکے ہو کہ احمد صاحب ہاتھی کے برابر گائے لائے ہیں۔ ارے بے وقوف ان کی لڑکی کی شادی ہے عید کے چوتھے دن۔ پوری گائے وہ شادی کے کھانے کے لیے استعمال کریں گے۔"

"امی جان یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہوئی کہ قربانی کے ساتھ ساتھ کوئی دوسرا کام بھی کر لیا جائے۔ یہ تو ایک تیر سے دو شکار کرنے والی بات ہے۔" زبیر نے کہا۔

پپّا مسکرا کر بولے، "ہاں تم نے ٹھیک کہا۔ ایک تیر سے دو شکار یا ایک پنتھ دو کاج۔ ویسے بیگم! عید کے چوتھے روز تو گائے کا خیمہ اٹھنا شروع ہو جائے گا۔" امّی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"پپّا یہ پنتھ کیا چیز ہوتی ہے؟" زبیر نے پوچھا۔ ابھی پپّا جواب دینا ہی چاہتے تھے کہ عالیہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور پپّا کے بازو سے سر ٹکا کر بولی:

"پپّا! .... پیارے پپّا! لا دیں نا اِک بکرا۔"

"ارے واہ .... عالیہ تم تو شاعرہ بھی ہو گئی ہو۔ ذرا اپنے جملے پر غور تو کرو۔

پپّا پیارے پپّا
لا دیں نا اِک بکرا

واہ کیسا پیارا شعر ہے۔ سبحان اللہ۔ ہم نے جھومتے ہوئے کہا۔ یہ دیکھ کر عالیہ بِلبِلا کر بولی، "نہ میں شاعرہ ہوں اور نہ یہ میرا پہلا شعر ہے اور اگر تمھیں شعروں سے اتنا ہی پیار ہے تو اب کی عید پر شیر کی قربانی ہی سہی۔"

"اف خُدایا! بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ غالباً تم لوگ بھول گئے کہ ہم بکرے کی خریداری کی بات کر رہے تھے۔" زبیر کی بات سُنتے ہی ہم دونوں سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ "ہاں تو پپّا! پھر کیا سوچا آپ نے بکرے کے متعلق؟"

"کبھی بکرا آئے گا اور ضرور آئے گا، مگر موٹا یا دُبلا اس کا فیصلہ تم لوگ کرو گے۔ کیوں بیگم؟" پپّا نے امّی جان سے پوچھا۔

امّی جان نے جواب دیا، "میں کچھ نہیں جانتی۔ ایسا لگتا ہے کہ اب قربانی بھی فیشن میں داخل ہو چکی ہے۔"

"موٹا .... موٹا..... پپّا بکرا اتنا موٹا لائیں کہ پورے محلّے میں کسی کے گھر بھی اتنا موٹا بکرا نہ آیا ہو۔ ایسا بکرا لائیں جیسے احمد صاحب کی گائے ....."

"چُپ ہو جا لڑکے! کل سے تیرے ذہن پر احمد صاحب کی گائے کیوں چھائی ہے۔ احمد صاحب کے بچّوں نے تو گائے کو ایسے سجایا ہے جیسے گائے نہ ہوئی زری گوٹے کی دُکان ہو گئی۔" دادی جان نے سونف چھالیہ چباتے ہوئے کہا تو ہم بہن بھائی ہنس پڑے۔

"واہ دادی جان کیا بات کہی ہے آپ نے۔ بس بکرا آنے دیں تن درست اور موٹا تازہ۔ پھر میں روز آپ کو چانپیں بھون کر کھلاؤں گا۔ کم از کم ایک مہینے تو گوشت چلے گا۔ کیوں پپّا؟" زبیر نے کہا۔

پپّا نے کوئی جواب نہ دیا البتہ امی جان بولیں:

"زبیر افسوس ہے تمھاری باتوں سے لالچ کی بُو آ رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تم نے قربانی کو صرف دِکھاوا سمجھ رکھا ہے۔ کیا تمھیں معلوم نہیں بقرعید حاجیوں کی ہوتی ہے اور عید الفطر روزے داروں کی۔"

"اف امّی جان آپ بات سمجھتی کیوں نہیں۔ آج کل محلّے میں اسی کی عزّت ہے جس کے گھر کے دروازے کے آگے ایک اونچا سا بکرا ڈکرا رہا ہو۔ آپ بات کو سمجھیں نا؟"

"بس بس میں خوب سمجھ رہی ہوں اس نئی نسل کی باتوں کو۔ بکرا تو خیر قربانی کے واسطے آئے گا مگر تم لوگ اپنی شرطیں اپنے پاس ہی رکھو۔" یہ سُن کر ہم سب کے مُنھ لٹک گئے۔ امّی جان کو اب غصّہ آ چکا تھا اور بات بڑھانا خطرناک تھی۔

ایک دن اور گزرا۔ پپّا شام کو دادا جان کے ساتھ جا کر ایک بکرا لے آئے۔ بکرا اچھا خاصا تھا۔ بھورا چمک دار۔ تیرہ سو رُپے کا خریدا تھا مگر ہماری نظروں میں جچ نہیں رہا تھا۔

"اس کی ٹانگیں تو دیکھو۔ ایسا لگتا ہے جیسے پولیو کا مارا ہے۔" عالیہ نے بکرے کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔

بکرا بولا "میں ں ں..... میں۔" شاید اسے عالیہ کی بات پسند نہیں آئی تھی اور

آتی بھی کیوں؟ وہ اس کی بُرائی جو کر رہی تھی۔

"اور پیٹ تو دیکھو ذرا، فاقوں کا مارا لگتا ہے۔ اس سے موٹی تو ماسی نوراں کی مرغی ہے۔ آخر پپّا کو اس بکرے میں کیا خوبی نظر آئی؟ اس کو لانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس سے تو اچھا تھا ہم اس سال قربانی ہی نہ کرتے، وہ احمد صاحب کی گائے...."

زبیر ابھی احمد صاحب کی گائے کے قصیدے سُناتا کہ ہم بول اُٹھے، "پپّا نے ہمیں پورے محلّے اور دوستوں میں ذلیل کر کے رکھ دیا۔ بھلا کیا تُک تھی اتنے کم زور بکرے کو لانے کی؟ وہ جلال اور محمود کا بکرا دیکھا ہے؟ پورا گدھا لگتا ہے گدھا...." ہم نے بکرے کو غصّے سے دیکھتے ہوئے کہا۔ بکرا بے چارہ کیا کہتا۔ وہ چُپ چاپ ہم سب کی لعن طعن سنتا رہا اور چارے پر منھ مارتا رہا۔ ہم میں سے کسی نے بھی بکرے کو لفٹ نہیں کرائی۔ نہ کسی نے اسے گھاس کھلائی، نہ سیر کرائی۔ دادی جان ہمیں برابر خبردار کر رہی تھیں کہ قربانی کے جانور کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔

"اسے کون تکلیف پہنچائے گا؟ یہ تو خود ہی اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔ حیرت ہے پپّا نے تیرہ سو رُپے اس چوہے پر ضائع کیے..... اور وہ احمد صاحب کی گائے...." "ارے چُپ ہو جاؤ۔ قسائی آنے والا ہے اور تم اب تک احمد صاحب کی گائے کے پیچھے پڑے ہو۔" ہم نے جل کر کہا۔

دراصل ہم تینوں ہی بے حد اُداس تھے۔ ہم اور زبیر دادا جان اور پپّا کے ساتھ عید کی نماز پڑھ کر گھر آئے۔ ہم بالکل بُجھے بُجھے سے تھے۔ خاموشی سے اپنے کمرے میں گھس گئے۔

"اگر اچھا بکرا آجاتا تو مس نجمہ کو ران بھجواتا۔ پھر دیکھتا کہ وہ مجھے کلاس میں فرسٹ پاس کیسے نہ کرتیں۔" زبیر اُداسی سے بولا۔

"اور میں اپنی سہیلیوں کو کیا منھ دکھاؤں گی۔ سب میرا مذاق اُڑائیں گی۔ پتا ہے سب کے گھر اتنے عمدہ اور صحت مند بکرے آئے ہیں اور میں.... میں ہرگز اتنے کم زور بکرے کا گوشت نہیں بانٹوں گی۔" عالیہ نے بھنّا کر کہا۔

کتنی ہی دیر گزر گئی۔ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ ساتھ ہی امّی جان

کی آواز سُنائی دی:

"ارے بچّو! اندر گھسے کیا کر رہے ہو؟ باہر آؤ۔ بکرا ذبح ہو رہا ہے۔" مگر ہم نے صاف انکار کر دیا۔ ہمارا انکار سُن کر امی جان، پپّا اور دادا جان کو بُلا لائیں اور دادا جان نے پہلے پیار بھرے اور پھر سخت لہجے میں ہمیں باہر نکلنے کا حکم دیا۔ مرتے کیا نہ کرتے، ہمیں کمرے سے باہر آنا ہی پڑا۔ اس وقت اس بے زبان بکرے سے ہمیں شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ بلکہ عالیہ کی آنکھوں میں تو بے بسی سے آنسو بھی آ گئے تھے۔

قصائی آ چکا تھا اور بکرا ذبح ہونے کو تیار تھا۔ ہم تینوں نے بے زاری سے منہ پھیر لیے۔ قصائی نے اللہ اکبر پڑھا اور بکرے کی گردن پر چُھری پھیر دی۔ ہمیں بکرا ذبح ہونے کی کوئی خوشی نہ ہوئی حال آنکہ ہم ہر سال بڑی خوشی سے بکرے کے ذبح ہونے کا منظر دیکھا کرتے تھے۔ بکرے کو ذبح کرنے کے بعد قصائی پپّا سے بولا، "صاحب! بوٹیاں بعد میں آ کر بناؤں گا۔ پہلے سامنے احمد صاحب کی گائے کی بوٹیاں بنا دوں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اسے ذبح کیا ہے۔"

یہ سُن کر ہم چونک پڑے۔ یعنی احمد صاحب کی گائے ذبح ہو چکی ہے۔ ہم تینوں گُم سُم کھڑے تھے۔ پپّا کتنی ہی دیر سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ اچانک آگے بڑھے اور ہم تینوں کو اپنے ساتھ لپٹا کر بولے:

"بچّو! اب غصّہ تھوک دو، دیکھو وہ موٹی تازی گائے اور تمھارا کم زور بکرا اور محلّے کے سارے موٹے تازے مہنگے بکرے سب ذبح ہو گئے، کچھ ہونے والے ہیں اور جانتے ہو سب کے ذبح کرنے کا مقصد کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ کی خوشی حاصل کرنا۔ دُعا کرو کہ اللہ میاں ہماری قربانی بھی قبول فرمائے۔ جانور کے مہنگے یا سستے ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اللہ بس قربانی کی توفیق دے۔ یہی بڑی بات ہے۔"

اچانک ہمارے چہروں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور ہم کھلکھلاتے ہوئے "پپّا! عید مبارک" پپّا لائیے عیدی ہماری۔" کہتے اُن سے لپٹ گئے۔

پھر اسی شام محلّے والوں اور رشتے داروں میں گوشت تقسیم کر کے ہم سب مزے دار بریانی، بھُنی ہوئی کلیجی اور چانپیں کھا رہے تھے۔

ہمدرد انسائکلو پیڈیا

علی ناصر زیدی

س: چاند زمین کے گرد گھومتا ہے اور زمین چاند کو ساتھ لے کر سورج کے گرد گھومتی ہے۔ سورج کسی مرکز کے گرد گھومتا ہے یا یہ کائنات کا مرکز ہے؟ محمد زمل، پشاور

ج: پہلے ستارے اور سیارے کا فرق سمجھ لیجیے۔ ستارہ وہ نہایت روشن اور گرم کرّہ ہے جس سے ہر وقت حرارت خارج ہوتی رہتی ہے اور اس پر کسی قسم کی آبادی ممکن نہیں۔ سیارہ گھومنے والا جسم ہوتا ہے جو کسی مرکزی ستارے کے چاروں طرف گردش کرتا ہے۔ مثلاً ہمارا سورج زرد رنگ کا اوسط درجے کا ایک ستارہ ہے جس کے چاروں طرف ہماری زمین اور دیگر آٹھ سیارے گھومتے ہیں۔ سورج کسی جسم کے چاروں طرف نہیں گھومتا لیکن وہ ایک اور بڑے نظام کا حصّہ ہے جسے کہکشاں کہتے ہیں۔ وہ اس میں نہایت تیزی کے ساتھ آگے دوڑ رہا ہے اور ہم بھی اس کے ساتھ جا رہے ہیں۔ سورج کائنات کا مرکز نہیں ہے بلکہ ایک معمولی ستارہ ہے۔ کائنات کتنی بڑی ہے، کوئی نہیں بتا سکتا۔ پھر وہ برابر بڑھ رہی ہے اور پھیل رہی ہے۔

س: امریکا کی کُل کتنی اسٹیٹس ہیں۔ اُن کا جھنڈا کن باتوں کی نشان دہی کرتا ہے اور امریکا کی تمام ریاستوں کے نام کیا ہیں۔ شاہ باتو حباب، بلوچستان

ج: امریکا کی ریاستوں کی تعداد پچاس ہے جن میں الاسکا اور ہوائی بھی شامل ہیں۔ ان سب کے نام یہاں نہیں دیے جا سکتے۔ اس کا جھنڈا ان ریاستوں کی تعداد ظاہر کرتا ہے۔

س: سیاروں کی کُل تعداد کتنی ہے؟ سیارے کہاں ہیں اور نظر کیوں نہیں آتے؟ شفیق احمد، کوٹ غلام محمد

ج: نظامِ شمسی کے سیاروں کی کل تعداد نو ہے۔ اگرچہ ایک اور سیارے کی ہلکی سی خبر آئی تھی، جس کی تفصیل نہیں آئی۔ سورج کی طرف سے شمار کرتے ہوئے پہلا سیارہ (مرکری) عطارد ہے۔ دوسرا (وینس) زہرہ ہے۔ اس کے بعد ہماری زمین آتی ہے۔ چوتھا سیارہ (مارس) مریخ ہے۔ پانچواں مشتری (جوپیٹر) ہے جو سب سے بڑا سیارہ ہے۔ اس کے بعد چھٹا سیارہ (سیٹرن) زحل

آتا ہے، ساتواں یورینس آٹھواں نیپچون (رب البحر) اور نواں سیارہ پلوٹو کہلاتا ہے۔
زہرہ اور مریخ ہمارے پڑوسی سیارے ہیں، اس لیے وہ دُور بین کے بغیر بھی نظر آجاتے ہیں، لیکن باقی سیارے ہم سے اتنے زیادہ فاصلے پر ہیں کہ وہ دور بین کے بغیر نظر نہیں آتے۔ یہ سب دُور فضا میں سورج کے چاروں طرف گردش کرتے رہتے ہیں۔ ان سب کے اپنے اپنے راستے ہیں جو مدار کہلاتے ہیں اور اُن کی رفتاریں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

س: چلتی ہوئی کار میں ریڈیو اپنی نشریات کس طرح پکڑتا ہے۔

جاوید اختر انصاری، کراچی

ج: ریڈیائی نشریات وائرلیس لہروں کے ذریعہ سے ریڈیو تک پہنچتی ہیں، اس لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ریڈیو کہیں رکھا ہوا ہو یا کار میں لگا ہوا ہو اور تیزی سے سفر کر رہا ہو۔ یہ لہریں ہر جگہ پہنچ جاتی ہیں اور نشریات پہنچاتی ہیں۔

س: الیکٹرو پلیٹنگ کسے کہتے ہیں؟

گل رعنا، کورنگی کراچی

ج: کسی چیز پر کسی دوسری دھات کا ملمع کرنے کا عمل الیکٹرو پلیٹنگ کہلاتا ہے۔ جس چیز پر ملمع چڑھانا ہوتا ہے اُسے گندھک کے تیزاب کے سلوشن میں ڈبو دیا جاتا ہے۔ یہ الیکٹرولائٹ کہلاتا ہے۔ اب یہ چیز منفی طور پر چارج ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابلے پر دوسری چیز بھی اسی سلوشن میں لٹکا دی جاتی ہے جس کا ملمع چڑھانا ہوتا ہے۔ وہ مثبت چارج کی حامل ہو جاتی ہے۔ جب ان دونوں کے درمیان برقی رو گزاری جاتی ہے تو اُس چیز پر دوسری شے کا ملمع چڑھ جاتا ہے اور یہ عمل الیکٹرو پلیٹنگ یا ملمع سازی کہلاتا ہے۔ اس کا مقصد معمولی دھاتوں کو قیمتی ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ جیسے کسی چیز پر سونے یا چاندی کا ملمع کر دیا جائے تو وہ قیمتی دھات نظر آنے لگے گی۔ کاروں کے سامنے لگے ہوئے بمپر سفید اور چمک دار اس لیے نظر آتے ہیں کہ وہ بنے ہوئے تو فولاد کے ہوتے ہیں لیکن اُن پر کرومیم کا ملمع ہوتا ہے جس سے اُن میں چمک آجاتی ہے۔ یہ چمک الیکٹرو پلیٹنگ سے ہی پیدا کی جاتی ہے۔

س: ریفری جریٹر (فریج) میں پانی کی بوتل رکھتے ہیں تو پانی ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور کسی پیالے میں یا دیگچی میں پانی رکھتے ہیں تو برف بن جاتی ہے، وہ کیسے؟

واحد بخش میمن، ٹھٹھہ

ج: آپ نے دیکھا ہوگا کہ ریفری جریٹر کے دو مخصوص حصّے ہوتے ہیں، ایک تو اوپر چھوٹا

سا ڈبّا ہوتا ہے جسے فریزر کہتے ہیں اور دوسرا حصّہ نیچے الماری جیسی جگہ ہوتی ہے جس میں بوتلیں، انڈے، مکھن اور کھانے پینے کی دوسری چیزیں رکھی جاتی ہیں۔ سرد حصّہ وہ اوپر کا ڈبّا ہی ہوتا ہے۔ اُس میں آپ پانی جس چیز میں بھی بھر کر رکھیں گے وہ کچھ دیر بعد برف بن جائے گی۔ اس ڈبّے کی خنکی نیچے تک آتی ہے، لہٰذا نیچے رکھی ہوئی پانی کی بوتلیں اور دوسری چیزیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ لیکن اتنی ٹھنڈی نہیں کہ برف بن جائیں۔

اب شاید آپ یہ پوچھیں کہ اوپر کا ڈبّا اتنا ٹھنڈا کیسے ہو جاتا ہے یعنی ریفری جریٹر میں خُنکی کیسے پیدا ہوتی ہے۔

ریفری جریٹر میں عام طور سے ایسی گیس استعمال کی جاتی ہے جو دباؤ کے تحت مائع میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اُسے ریفری جیرینٹ کہتے ہیں۔ مثلاً امونیا یا فریون ریفری جریٹر کا ایک حصّہ جسے کمپریسر کہتے ہیں۔ اس گیس کو بڑے زور سے دباتا ہے تاکہ وہ مائع میں تبدیل ہو جائے۔ یہ مائع ایک والو کے ذریعہ سے کم دباؤ والے حصّے میں آتا ہے اور پھر گیس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کام میں ریفری جریٹر کے اندر کی گرمی کھنچ آتی ہے اور اندر خنکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے ریفری جیرینٹ کو پھر زور سے دبایا جاتا ہے اور پھر خنکی پیدا ہو جاتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ریفری جریٹر کا درجۂ حرارت اتنا کم ہو جاتا ہے کہ اوپر والے حصّے میں برف بننے لگتی ہے اور نیچے رکھی ہوئی چیزیں بھی ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔

س: برقی مقناطیس کس طرح کام کرتا ہے؟

جاوید اختر انصاری، کراچی

ج: برقی مقناطیس آسانی سے تیار کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ لوہے کی ایک سلاخ کے چاروں طرف تانبے کا ایک تار جس پر حاجز دھاگا (انسولیٹر) یا میٹیریل چڑھا ہو، لپیٹ دیں اور پھر اس تار میں سے برقی رو گزاریں تو لوہے کی یہ سلاخ ایک قوی مقناطیس بن جائے گی۔ جب آپ کرنٹ بند کریں گے تو اس کی مقناطیسیت بھی ختم ہو جائے گی۔ ایسا مقناطیس برقی مقناطیس کہلاتا ہے اور اُسے عام طور سے بھاری دھاتی اشیا اُٹھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ کے دروازے پر لگی ہوئی برقی گھنٹی، ٹیلے فون اور دوسرے بہت سے برقی آلات میں یہی برقی مقناطیس استعمال کیے جاتے ہیں۔

رُوح افزا

اس کی سب سے اچھی تعریف یہ ہے کہ
"یہ سب سے اچھا ہے"

مشروبِ مشرق رُوح افزا کی یہ تعریف بے شمار باذوق شائقین کی پسندیدگی کی سند ہے۔
رُوح افزا کی فروخت دوسرے تمام شربتوں کی مجموعی فروخت سے کہیں زیادہ ہے
... یہ اس کی تعریف کا عملی ثبوت ہے۔

رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں سب سے اچھا

رُوح پاکستان۔ رُوح افزا
راحت جان۔ رُوح افزا

ہمدرد
ہم خدمت خلق کرتے ہیں

خدمتِ خلق رُوحِ اخلاق ہے

ADARTS

HMD-8/87

تحفے

انوکھے نکتے، دل چسپ تحریریں، مسکراتے جملے، عظیم اقوال

چند ہدایات ابن انشا کی

مرسلہ: چندا عائشہ چغتائی، فیصل آباد

ان اُونچی باتوں اور مواعظ حسنہ کے ساتھ بعض مقامی ہدایتیں بھی ضروری ہیں۔ ہمارا علاقہ جیسا ہم چھوڑ کر جا رہے ہیں ویسا ہی ملنا چاہیے ناظم آباد کی بڑی سڑک کو توڑ کر چند ہفتے پہلے جو پتھروں کی ڈھیریاں لگا دی گئی تھیں وہ ہمارے آنے تک لگی رہنی چاہییں۔ وہ بہت اچھی بلکہ رومانٹک معلوم ہوتی ہیں۔ ہم نے اپنے دوستوں اور ملنے والوں کو یہ شعر لکھ بھیجا ہے کہ

اِنھی پتھروں پہ چل کے اگر آسکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

پاپوش نگر کے قبرستان کے آگے جو میدان ہول کئی ماہ سے کھلے پڑے ہیں ان کو بھی بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے، کیوں کہ کسی شخص کا مُردہ ان میں سے نکال کر وہیں سامنے دفن کر دینا کہیں زیادہ کم خرچ ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کا جنازہ اس کے گھر سے لایا جائے۔

کارپوریشن کے ہیلتھ افسر صاحب بھی نوٹ فرمائیں کہ علامہ اقبال ٹاؤن میں ہمارے گھر کے ساتھ جو کوڑے کا فلک بوس ڈھیر ہے وہ وہاں سے نہ ہٹے ورنہ ہم احباب کو اپنے گھر کی اور کیا نشانی بتایا کریں گے۔ اب تو لوگ دُور دُور سے بلا کسی سے دریافت کیے محض بُو سونگھتے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔

— ابن انشا

کیا آپ کو معلوم ہے

مرسلہ: خیر الامین تور ڈھیر، صوابی

- سپریم کورٹ کو پہلے فیڈرل کورٹ کہا جاتا تھا۔
- جیکب آباد کا پرانا نام خان گڑھ تھا۔
- پاکستان کے پہلے کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خاں تھے۔
- درّۂ بولان دنیا کا تیسرا بڑا درّہ ہے۔
- خانۂ کعبہ میں حجرِ اسود جنوب مشرق کی طرف ہے۔
- ہانگ کانگ کے دارالحکومت کا نام

ڈکٹوریہ ہے۔

- دنیا کا سب سے بڑا فوارہ امریکا میں ہے۔
- بحری جہاز کو فلٹن نے ایجاد کیا تھا۔

مفید گھریلو ٹوٹکے

مرسلہ: مقبول احمد قریشی، پیلان

- اگر دہی فوری طور پر جمانا ہو تو دودھ میں ذرا سی ٹارٹرک ایسڈ ڈال دیجیے، دہی بہت جلد جم جائے گا۔
- انڈوں کو پسے ہوئے نمک میں دبا کر رکھ دیجیے۔ اس طرح انڈے زیادہ دیر تک خراب نہیں ہوتے۔
- گرم پگھلے ہوئے موم میں انڈوں کو ڈبو کر نکال لیجیے۔ پھر ٹھنڈی جگہ پر محفوظ رکھیے تو وہ کئی ماہ تک خراب نہیں ہوں گے۔
- لیمو سے پورا عرق نکالنے کے لیے اسے پہلے گرم پانی میں ڈبو لیں، پھر کاٹ کر نچوڑیں تو سارا عرق نکل آئے گا۔
- داڑھ میں درد ہو تو سرسوں کے تیل میں نمک ملا کر سوتے وقت داڑھ میں لگائیں۔

خوب سے خوب تر

مرسلہ: خالد بن سعید، لاہور

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں:

- امیروں کی تواضع خوب ہے اور غریبوں کی خوب تر۔
- توبہ بوڑھے سے خوب ہے اور جوان سے خوب تر ہے۔
- سخاوت مال دار سے خوب ہے اور مفلس سے خوب تر ہے۔

خدا ہے کہ نہیں

مرسلہ: سلیم احمد خاں، کراچی

کیا تیرے ذہن میں کچھ فکر رسا ہے کہ نہیں
عقل سے پوچھ رہا ہے کہ خدا ہے کہ نہیں
چشم بینا ہو سلامت تو ہو روشن تجھ پر
ذرّے ذرّے میں خدا جلوہ نما ہے کہ نہیں

شاعر: شیدا جبلپوری

ظالم

مرسلہ: فہیم احمد خانزادہ، سکرنڈ

دُکان دار جو کم تُولتا ہے، گواہ جو جھوٹ بولتا ہے، کوتوال جو رشوت لیتا ہے، قاضی جو رعایت سے فیصلہ دیتا ہے، بیٹا جو والدین کی خدمت سے گریز کرتا ہے، امیر جو غریب کو ستاتا ہے، طاقت ور جو کم زور کو دباتا ہے، سب ظالم اور بے انصاف ہیں۔ (چوہدری افضل حق مرحوم کی تحریر زندگی سے اقتباس)

دوست

مرسلہ: محمد نعیم خاں شاکر نیازی، کالاباغ

- دوست کو بلا وجہ مت آزماؤ۔
- اگر کوئی دوست بنانا چاہتے ہو اپنے دل

میں اُس کے لیے ایک قبرستان تیار رکھو تاکہ اس کی بُرائیوں کو دفن کر سکو۔

- دوست بناتے وقت اس کی صورت نہ دیکھو بلکہ سیرت دیکھو۔

شکایت کی پٹّی

مرسلہ: ضیاء اسلام آفریدی، جیکب آباد سندھ

ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریؒ نے ایک شخص کو سر پر پٹّی باندھے دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ اس نے عرض کیا کہ میرے سر میں درد ہے۔ آپؒ نے پوچھا، "تمھاری عمر کتنی ہے؟"

"تیس سال"، اُس نے کہا۔

پھر آپ نے سوال کیا کہ تُو نے تیس سال کے عرصے میں کبھی صحت مندی کے شکرانے میں تو پٹّی باندھی نہیں اور صرف ایک دن کی تکلیف میں شکایت کی پٹّی باندھ کر بیٹھ گیا۔

(کتاب تذکرۃ الاولیا سے اقتباس)

فکر کرنی ہو تو

مرسلہ: منزہ عزیز، کراچی

- فکر کرنی ہو تو بوڑھے ماں باپ کی کیا کر۔
- فکر کرنی ہو تو بیوی بچّوں کی کیا کر۔
- فکر کرنی ہو تو عبادت کی کیا کر۔
- فکر کرنی ہو تو یتیموں اور بے سہاروں کی کیا کر۔
- فکر کرنی ہو تو اُن لوگوں کی کیا کر جن کا اس دنیا میں کوئی نہیں۔

زندگی کا مقصد

مرسلہ: انیلا حفیظ، میمونہ اکرم، ڈگری

جینے کا کوئی مقصد ہونا چاہیے۔ مقصد کے بغیر زندگی بلا عنوان ہے۔ اگر زندگی کو حسین و جمیل بنانا چاہتے ہو تو اپنی زندگی کا کوئی مقصد بنا لو۔ جدوجہد، محنت اور لگن سے اس مقصد کو پورا کرو۔ زندگی نام ہے مسلسل جدوجہد کا۔ جس طرح سیمنٹ پتّھر اور بجری کے بغیر عمارت نہیں بن سکتی، اسی طرح زندگی کے مقصد کی تکمیل کے لیے محنت، لگن اور جذبے کی سخت ضرورت ہے۔

دوسرا رُخ

مرسلہ: شمیریں پروین، کراچی

شک اور تذبذب کی حالت مکر و دغا کا ایک سلسلہ قائم کر دیتی ہے اور سچّی دوستی، حقیقی عزّت کامل اعتماد خیر باد کہہ دیے جاتے ہیں۔ حسد، رَشک سے، اندیشے، بے مہری، خاموشی، نفرت اور دھوکے خندہ پیشانی کا رُوپ بھر کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ نمائشی صاف دِلی اور مصنوعی سادگی کے ہاتھ میں ہمارے زمانے کی باگ ڈور ہے۔ خود تو ازراہِ انکسار اپنی تعریف اپنے منھ سے کرنا عیب سمجھتے ہیں لیکن دوسروں کا مذاق اُڑانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ دشمن کو بھی اس کے منھ پر بُرا کہنا نازیبا سمجھا جاتا ہے، لیکن پیٹھ پیچھے بُرا

کہنے میں گویا کوئی حرج نہیں۔ دوسری قوموں سے تعصّب ہمارے دل سے اُٹھتا جاتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ حُبِ وطن کا جذبہ بھی زائل ہوتا جاتا ہے۔ جہالت ذلیل نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، لیکن شک اس کی جگہ لے لیتا ہے۔

—— روسو

کچھ ناموں کے متعلق

مرسلہ: خالد محمود، کراچی

جھانسی میں ایک بزرگ رہتے تھے جن کا نام تھا عبدالغنی۔ لیکن انھوں نے "پیدائشی شاعری" شروع کر دی۔ یعنی بچّوں کے نام ہم قافیہ رکھنے شروع کر دیے۔ ان کے لڑکوں کے نام تھے۔ عبدالشافی، عبدالوافی، عبدالکافی، جب چوتھا لڑکا پیدا ہوا تو کسی دوست نے مشورہ دیا کہ اس کا نام عبدالٹافی رکھ دو، نام پکارتے وقت منھ میٹھا ہو جائے گا۔

وہ تو کہیے کہ جھانسی میں حکیم سعید صاحب کا ہمدرد دواخانہ نہیں تھا ورنہ وہ صاحب لڑکے کا نام "عبدالصافی" رکھ دیتے۔

(رحمید لاہوری)

بیٹھنے کی جگہ

مرسلہ: طارق خلیل، لطیف آباد

ایک آدمی کو کہیں جانا تھا۔ جب وہ بس اسٹاپ پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ بس کھچا کھچ بھری ہوئی ہے اور بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے۔ اس نے چیخ کر کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے جانور اور قوم آچکی ہے۔ اندر سے آواز آئی، "نہیں ابھی ایک گدھا باقی ہے"۔

کرسی نیچے آ گئی ہے

مرسلہ: محمد جہان زیب، ملتان

پاکستانی مجموعی طور پر بڑے ذہین، محنتی اور جفاکش لوگ ہیں اور ان کا مقابلہ کسی بھی قوم سے کیا جا سکتا ہے۔ البتہ ہمارے ہاں کُرسیاں ضرور نیچے آ گئی ہیں۔ جب چھوٹے آدمی بڑی کرسیوں پر جا بیٹھتے ہیں تو چھوٹے آدمی بڑے نہیں، بلکہ بڑی کرسیاں چھوٹی ہو جاتی ہیں۔ بڑی کرسیوں پر متمکن چھوٹی شخصیتیں اس خوش فہمی میں مبتلا رہتی ہیں کہ ان کا قد بڑھ گیا ہے، لیکن ایسا نہیں ہوتا۔

اُستاد کا مقام

مرسلہ: ذاکر حسین، شکارپور

عباسی خلیفہ مسندِ خلافت پر تھا۔ ایک دن اس کے معلّم محمد بن زیاد آئے۔ خلیفہ نے ان کی بہت زیادہ عزت و تکریم کی۔

یہ دیکھ کر ایک شخص نے پوچھا:

"اے امیرالمومنین! یہ کون شخص ہے جس کا آپ اس درجہ احترام فرماتے ہیں؟" خلیفہ نے جواب دیا، "یہ وہ شخص ہے جس نے اللہ کے سمجھنے کا علم مجھے دیا اور مجھے اللہ کی رحمت سے قریب کر دیا"۔

نایاب خزانہ

معراج

ہم اپنے دفتر میں بیٹھے قہوہ نوشی میں مشغول تھے۔ آنرونا ایک ملاقاتی کو ساتھ لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ اس شخص نے سب کو سلام کیا اور بولا، "میرا نام محمد خان زادہ ہے۔ میں علّامہ دانش سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

علّامہ بولے، "جی فرمائیے، میرا ہی نام دانش ہے۔"

خان زادہ بولا، "مجھے ایک خزانے کی تلاش ہے۔ اس سلسلے میں مجھے آپ کی مدد چاہیے۔"

علّامہ بے صبری سے ہاتھ ہلا کر بولے، "معاف کیجیے گا ہمیں خزانوں وغیرہ سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔"

خان زادہ بولا، "جناب، یہ کوئی معمولی خزانہ نہیں ہے۔ یہ وہ خزانہ ہے جس کی میرے باپ دادا بہت عرصے تک حفاظت کرتے رہے۔ میرا مطلب ہے کہ ایک ہزار سال سے زیادہ پرانے سکّے جن کا تعلق امیّہ اور عباسی خاندانوں سے ہے۔ آج کل یہ سکّے نایاب ہیں۔"

یہ سنتے ہی علامہ دانش کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ وہ بولے "میاں صاحب زادے، تمھارا بیان دل چسپ معلوم دیتا ہے۔ اب سناؤ کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

خان زادہ بولا، "میرے دادا آرمینیا کے حکم راں تھے۔ جب روسی فوجوں نے وہاں قبضہ کیا تو وہ اس خزانے کو ایک محفوظ مقام پر دفن کر کے فرار ہو گئے۔ دادا کے بیان کے مطابق انھوں نے ان سکّوں کو ریشمی کپڑوں میں لپیٹا اور صندوق میں بند کر کے اسے ایک خاص جگہ دفن کر دیا۔ یہ سب کام انھوں نے نہایت راز داری کے ساتھ رات کے وقت کیا۔"

کپتان مرشد نے پوچھا، "کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ صندوق ابھی تک اسی جگہ موجود ہے؟"

خان زادہ بولا، "جی ہاں، دادا جان کے علاوہ کوئی شخص اس راز سے واقف نہیں تھا۔ انھوں نے مرتے وقت تک کسی کو یہ راز نہیں بتایا تھا۔ انھیں اندیشہ تھا کہ جیسے ہی اور لوگوں کو یہ راز معلوم ہو گا، وہ خزانے کے دعوے دار بن جائیں گے۔"

میں نے پوچھا، "آپ کا یہ خزانہ کس جگہ دفن ہے؟"

خان زادہ نے ایک نقشہ میز پر پھیلا دیا اور بولا، "خزانہ اس جگہ دفن ہے۔ یہ مقام ترکی کی سرحد سے پندرہ میل دُور روس کے اندر واقع ہے۔"

مرشد بے ساختہ بولا، "الٰہی خیر کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں خزانے کی تلاش میں روس جانا ہو گا۔"

خان زادہ بولا، "آپ نے درست فرمایا۔"

مرشد نے کہا، "حکومتِ روس نے سرحد کی نگرانی کے لیے جگہ جگہ چوکیاں قائم کر رکھی ہیں۔ مسلح پہرے دار کتّوں کے ساتھ سرحد کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔ اگر بد قسمتی سے ہم روسیوں کے ہتھے چڑھ گئے تو وہ ہماری بہت بُری دُرگت بنائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں دیکھتے ہی گولی مار دیں۔"

علامہ جو کافی دیر سے خاموش بیٹھے تھے، بولے، "آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ کتّے بے حد خطرناک ہیں۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں رہتے رہتے یہ وحشی ہو گئے

ہیں اور جراثیم آلود جانور کھا کھا کر بے حد زہریلے ہو گئے ہیں۔ بس تم یہ سمجھ لو کہ سانپ کے کاٹے کا علاج ممکن ہے لیکن ان کتّوں کے کاٹے کا کوئی علاج نہیں ہے۔"

سچّی بات تو یہ ہے کہ علامہ صاحب کی باتیں سُن کر میں اپنے دل میں بہت ڈرا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا سب پر اثر ہوا ہوگا۔

میں نے کہا، "جب یہ خزانہ آپ کی ملکیت ہے تو آپ دعوا کیوں نہیں کر دیتے؟"

علامہ بولے، "تم بھی کیسی فضول باتیں کرتے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے جس ملک میں خزانہ ہوتا ہے وہ ملک اس کا قانونی حق دار ہوتا ہے۔ اگر حکومت روس کو اس بات کی خبر ہو گئی تو وہ پورا علاقہ کھود ڈالیں گے۔"

مرشد نے فکر مند ہو کر کہا، "میرے خیال میں خزانہ حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم جہاز کو اُڑا کر وہاں لے جائیں جہاں خزانہ دفن ہے اسے جہاز میں لاد دیں اور واپس آجائیں۔"

میں نے مایوسی سے سر ہلا کر کہا، "بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن۔"

خان زادہ پُر جوش لہجے میں بولا، "یاد رکھیے کہ اگر یہ خزانہ تلف ہو گیا تو یہ ایک بہت بڑا نقصان ہوگا۔ میں یہ خزانہ اس ملک کی نذر کرنے کو تیار ہوں جو اُسے حاصل کرنے میں ہماری مدد کرے گا۔"

علامہ بولے، "حکومت تُرکی، روس کے ساتھ ٹکّر لینے پر کبھی تیار نہیں ہوگی۔ ہمیں یہ کام خود ہی کرنا ہوگا۔ اور نوجوان، تم یقین رکھو خزانے کی تلاش میں ہم ضرور تمھاری مدد کریں گے اگرچہ....."

مرشد بات مکمل کرتے ہوئے بولا، "اگرچہ یہ کام بے حد دشوار ہے۔"

یہ ایک بے حد مشکل کام تھا۔ ہم بہت دِنوں تک اس مہم کے ایک ایک پہلو پر غور کرتے رہے۔ سب سے بڑی رُکاوٹ یہ تھی کہ حکومتِ ترکی ہمیں روس کی سرحد عبور کرنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ آخر بہت مشکل سے تُرکی کی حکومت رضا مند ہو گئی۔

آخر ہماری روانگی کا وقت آپہنچا۔ یہ چودھویں کی رات تھی۔ چاند پوری آب و تاب

سے چمک رہا تھا۔ موسم گرما کے دن تھے۔ ہوا ساکن تھی اور دُور دُور تک بادلوں کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

خان زادہ نے ایک نقشہ میز پر پھیلا دیا اور بولا، "دیکھیے یہ ایک دریا ہے جو S کی شکل بناتا ہوا بہہ رہا ہے۔ اس کے قریب ہی یہ پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ میدان ہے۔ اس کے ایک سرے پر پولیس والوں کی چوکی ہے۔ دوسرے سرے پر، یہاں اس جگہ خزانہ دفن ہے۔"

جب ہم نے ترکی کی سرحد عبور کی تو مرشد بولا، "ذرا نیچے نگاہ رکھنا۔ جوں ہی تمھیں کوئی چمک دار چیز دکھائی دے مجھے خبر دینا۔"

چاند کی دھیمی روشنی میں ہمیں چمک دار لکیر دکھائی دی۔ یہ وہ دریا تھا جو S کی شکل بناتا ہوا بہہ رہا تھا۔

ہم نے مرشد کو بتایا۔ وہ بولا، "میں خزانے کے میدان سے کوئی ایک میل پہلے ہی جہاز کو دریا میں اُتار لوں گا۔ پھر ہم اسے کشتی کی طرح کھینچتے ہوئے میدان تک لے جائیں گے۔"

مرشد نے جہاز کا انجن بند کیا۔ جہاز آہستہ آہستہ زمین کی طرف اُترنے لگا۔ آخر جہاز کا پیندا پانی کی سطح کو چھونے لگا اور جہاز مکمل طور سے پانی میں اُتر گیا۔ مرشد نے دبی دبی آواز میں کہا، "چپ خاموش، ذرا کان لگا کر سُنو، اگر کسی نے ہمیں دریا میں اُترتے ہوئے دیکھا ہے تو وہ ضرور اس طرف آئے گا۔"

ہم دیر تک دَم سادھے بیٹھے رہے۔ دس پندرہ منٹ گزر گئے۔ ہمیں اطمینان ہو گیا کہ کسی نے ہمارے جہاز کو اُترتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ تب مرشد نے کہا، "ذرا ہوشیاری سے چپّو چلانا۔ رات کے سنّاٹے میں ذرا سی آواز بھی دُور دُور تک سُنائی دیتی ہے۔"

ہم چپوؤں کی مدد سے جہاز کو کھینچتے ہوئے اس طرف لے چلے۔ یہ کام بہت مشکل ثابت ہوا اور ہمیں بہت محنت کرنی پڑی۔ جہاز بہت سُست رفتاری سے چلتا رہا۔ آخر ہم میدان تک پہنچ گئے۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ اس سفر میں ہمارے

ساتھ کپتان نصر بھی ساتھ تھے۔ وہ تو جہاز ہی پر بیٹھے رہے، باقی ہم سب جہاز سے نیچے اُتر گئے۔ ہم نے زمین کھودنے کے اوزار یعنی بیلچہ، کدال وغیرہ اُٹھا رکھے تھے۔ کتوں سے بچاؤ کے لیے ہم نے فُل بوٹ پہنے ہوئے تھے۔ بہت موٹے اونی پاجامے قمیص کے اوپر چمڑے کی جیکٹ یعنی کُرتی پہنی ہوئی تھی۔ گرمیوں کے موسم میں یہ لباس بہت تکلیف دے رہا تھا لیکن مجبوری سب کام کرواتی ہے۔ اس بھاری لباس کی وجہ سے چلنا پھرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ ہمارے پاس خنجر اور پستول تھے۔ آزونا نے تیر کمان اُٹھائی ہوئی تھی۔ جیب میں غلیل اور پتھر ڈالے ہوئے تھے۔ علامہ کے ہاتھ میں ایک پنجرہ تھا۔ وہ بار بار کہتے "یہ میرا خفیہ ہتھیار ہے۔"

اسلحہ ساتھ رکھنا اس لیے ضروری تھا کہ اگر مقابلے کی ضرورت پیش آجائے تو ہم اپنی جان بچانے کے لیے استعمال کر سکیں۔

خان زادہ حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ وہ بولا، "وہ جگہ جسے نقشے میں میدان ظاہر کیا گیا ہے اب جھاڑیوں اور گھاس کی وجہ سے جنگل بنی ہوئی ہے۔"

میں نے کہا، "یہ تو بہت بُرا ہوا۔ اب ہم گھاس پھونس کی موجودگی میں فاصلہ کیسے ناپیں گے؟"

خان زادہ بولا، "کوشش تو کرنی چاہیے۔"

ہم نے فیتا سنبھالا اور فاصلے ناپ ناپ کر خزانے کی جگہ کا تعیّن کرنے لگے۔ پھر ہم نے کھدائی شروع کی۔ آخر ہماری محنت کارگر ثابت ہوئی۔ کدال کسی سخت چیز سے ٹکرائی۔ کپتان مرشد جُھک کر مٹی ہٹانے لگا۔ وہ بولا، "یہ رہا، صندوق کا کُنڈا میرے ہاتھ میں آگیا ہے۔"

کافی جدوجہد کے بعد اس نے صندوق کو کھینچ کر باہر نکالا۔ زمین کی نمی کی وجہ سے صندوق کا پیندا بالکل گل سڑ چکا تھا۔ وہ ٹوٹ کر علاحدہ ہو گیا اور سب سکّے گڑھے میں جا گرے۔

میں نے پریشان ہو کر کہا، "اب کیا ہو گا؟"

علامہ دانش بولے، "انھیں ساتھ لیے بغیر تو میں واپس نہیں جاؤں گا۔" یہ کہہ

کر انھوں نے اپنا کوٹ زمین پر پھیلا دیا۔ مرشد زمین پر اوندھا لیٹ گیا۔ اور گڑھے میں ہاتھ ڈال ڈال کر سکّے نکالنے لگا۔ سب سے مشکل بات یہ تھی کہ یہ سارا کام بغیر کسی آواز کے کرنا تھا۔ سکّوں کی جھنکار سُن کر پہرے دار ہوشیار ہو جاتے اور سب کیے کرائے پر پانی پھر جاتا۔ مرشد بہت دیر تک مٹّی میں ٹٹول کر سکّے نکالتا رہا۔ تب اس نے پوچھا، "اب دو چار ہی سکّے باقی رہ گئے ہوں گے۔ کیا میں انھیں چھوڑ دوں؟"

علّامہ جھنجھلا کر بولے، "یہ سکّے قوم کی امانت ہیں۔ ایک ایک سکّہ نکالنا ہمارے لیے بے حد ضروری ہے۔"

صبح کی سفیدی نمودار ہو رہی تھی۔ اب سورج نکلنے میں کچھ ہی دیر باقی تھی۔ اب ایک اور گڑبڑ ہو گئی۔ پہرے دار کی ڈیوٹی شروع ہو گئی تھی۔ وہ کتّوں کو ساتھ لے کر گشت کے لیے نکلا۔ ایک کتّے نے ہماری بُو سونگھ لی تھی۔ وہ اوپر کی طرف منھ کر کے بھونکنے اور غرّانے لگا۔ پہرے دار نے کتّے کو چمکارا پچکارا لیکن کتّا ہماری طرف منھ کر کے بھونکتا ہی رہا۔ تب شاید پہرے دار کو ہماری موجودگی کا احساس ہو گیا۔

میں نے کہا، "آپ خان زادہ کے ساتھ خزانے کو لے کر چلیے، میں، مرشد اور آزونا آپ کے پیچھے پیچھے آتے ہیں۔"

خان زادہ نے خزانے کی گٹھری اٹھائی اور جہاز کی طرف دوڑنے لگا۔ عین اسی وقت پہرے دار آٹھ کتّوں کو ساتھ لے کر ہماری طرف دوڑا۔ وہ کسی غیر زبان میں گالیاں بھی دیتا جا رہا تھا۔ مرشد نے ہوا میں گولی چلا دی اور بولا، "ذرا سنبھل کر آنا ورنہ تمھارے سَر کی خیر نہیں۔"

وہ مرشد کی بات تو کیا سمجھا ہو گا، گولی کا مطلب اچھی طرح اس کی سمجھ میں آ گیا۔ اس کم بخت نے کتّوں کو ہماری طرف ہشکا دیا۔ اُف میرے اللہ، آٹھ خوں خوار کتّے ہماری طرف تیر کی طرح لپکے۔ علامہ نے اپنا خفیہ ہتھیار استعمال کیا یعنی پنجرہ کھول کر اس میں سے خرگوش نکالے اور زمین پر چھوڑ دیے۔

خرگوش تیزی سے دوڑتے ہوئے پہاڑیوں کی طرف نکل گئے۔ چھے کتّے بھی ان کی

تلاش میں چلے گئے۔ علّامہ کا خفیہ ہتھیار بہت کارآمد ثابت ہوا تھا۔

دو کتّے بہت تیز رفتاری سے ہماری طرف آئے۔ مرشد نے گولی چلائی، جو ایک کتّے کا بھیجا پھاڑتی ہوئی نکل گئی۔ آزونا نے جلّہ کھینچ کر تیر چھوڑا جو دوسرے کتّے کے سینے کے پار ہو گیا۔ مگر وہ کم بخت ایسا سخت جان نکلا کہ مرتے مرتے بھی میری ٹانگ سے لپٹ گیا۔ اس کے دانت میرے فل بوٹ میں پیوست ہو گئے۔ میں نے لوہے کا سریا مار مار کر اس کی کھوپڑی پاش پاش کر دی مگر اس ظالم نے ٹانگ چھوڑ کر نہ دی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر پہرے دار نے فرار ہونا چاہا لیکن آزونا نے اس کا موقع نہ آنے دیا۔ اس نے کھینچ کر ایک پتھر مارا جو پہرے دار کی گدی پر لگا۔ وہ چکرا کر زمین پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

مرشد اور آزونا میری امداد کو پہنچے۔ آزونا نے خنجر سے کتّے کا جبڑا چیر ڈالا۔ پھر لوہے کا سریا اس کے منہ میں ڈال کر اس کا منہ کھولا اور اس موذی کے شکنجے سے میری ٹانگ چھڑائی۔ اسی وقت دُور سے کتّوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ وہ کتّے جو خرگوش کے پیچھے چلے گئے تھے، اب اپنے شکار سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے۔ ہم پوری رفتار سے جہاز کی طرف دوڑے۔ وہ کتّے اپنے مالک کے قریب پہنچ کر رُک گئے۔ انھوں نے اپنے مالک کو سونگھ کر دیکھا۔ جب انھوں نے اسے بے ہوش پایا تو ان پر وحشت سوار ہو گئی۔ وہ اسے ادھیڑنے اور بھنبھوڑنے لگے۔

یہ دہشت ناک منظر دیکھ کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہم جہاز پر سوار ہو گئے مُرشد نے جہاز کی کَل دبا دی۔ اس کے پر تیزی سے گھومنے لگے۔ کچھ دیر بعد جہاز ہوا میں بلند ہو گیا اور ہم ترکی کی طرف پرواز کرنے لگے۔

راستے میں علامہ نے کہا: "میں کتّوں کی بے شمار قسموں سے واقف ہوں۔ یہ کتّے اپنی قسم کے واحد (ایک ہی) ہیں جو اپنے مالک کے وفادار نہیں۔"

علامہ نے میری ٹانگ کا معائنہ کیا۔ اس پر ایک معمولی سی خراش لگی ہوئی تھی۔ علامہ نے کہا: "میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ یہ کتّے بے حد زہریلے ہیں۔ تمھاری ٹانگ کے اس معمولی زخم کا فوراً علاج نہ کیا گیا تو زہر پھیل جائے گا۔"

پھر وہ مرشد اور آزونا سے بولے: "تم دونوں اسے مضبوطی سے پکڑ لو" انھوں نے لائٹر جلایا اور میری ٹانگ پر جس جگہ خراش تھی، وہاں شعلہ لگا دیا۔ میں ضبط کیے بیٹھا رہا۔ آخر تکلیف کی شدت سے ہلکی سی چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔

علامہ مجھے سیدھے ہسپتال لے گئے۔ وہاں کئی روز تک میرا علاج ہوتا رہا۔ علامہ دانش بہت مستعدی سے میری تیمار داری کرتے رہے۔

اپنے پہرے دار کی موت پر حکومتِ روس نے بہت واویلا مچایا لیکن انھیں خبر نہ ہو سکی کہ یہ کس کی کارروائی ہے۔

وہ سکّے علّامہ نے حکومتِ ترکی، مصر اور ایران میں تقسیم کر دیے۔ اس کارنامے پر حکومتِ ترکی نے ہمیں کئی لاکھ رُپے انعام عطا کیے۔ ایک تمغا علامہ کو دیا گیا، لیکن جو تمغا (یعنی ٹانگ پر داغنے کا نشان) علامہ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ زندگی بھر میرے ساتھ رہے گا۔

سارے بچّوں کی پہلی پسند!

گارنٹی کے ساتھ پینسل کی نوک نہیں ٹوٹتے

انڈس شارپنر

اِفتتاح

تجمل الیاس، لاہور

"افتتاح"

"ہر خاص و عام کو دعوت دی جاتی ہے ....."

اخبار والا چلّا رہا تھا اور لوگ دھڑا دھڑ اخبار خرید رہے تھے۔ ایک آدمی نے اخبار خریدا اور اس کے تمام ساتھی سر جوڑ کر خبر پڑھنے لگے۔

"افتتاح"۔ کل اسلامی یونی ورسٹی کا افتتاح ہو رہا ہے۔ ہر خاص و عام کو اس کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ ملک کے مشہور و معروف شاعر، ادیب، فن کار اور دوسرے لوگ بھی آ رہے ہیں۔ یونی ورسٹی کا افتتاح ایک بہت اہم شخصیت کے ہاتھوں ہو گا، لیکن اس اہم شخصیت کا نام نہیں دیا گیا تھا۔ اس سے لوگوں میں اشتیاق پیدا ہو گیا۔

اگلے روز لوگ وہاں جا رہے تھے۔ ایک جشن کا سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ سب کے ذہنوں میں یہ سوال تھا کہ افتتاح کون کرے گا؟

یونی ورسٹی کے وسیع گراؤنڈ میں چاروں طرف کرسیاں رکھ دی گئی تھیں۔ اسٹیج کے ایک طرف ادیب، شاعر اور دوسری طرف کچھ فن کار بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگ فن کاروں کو دیکھنے کے لیے زیادہ سے زیادہ قریب بیٹھنے کی کوشش میں مصروف تھے۔

ایک صاحب نے مائک سنبھالا اور تمام لوگوں کو خوش آمدید کہا۔ انھوں نے کہا، "جیسا کہ آپ سب لوگوں کو معلوم ہے کہ آج یہاں کا افتتاح ایک بہت اہم ہستی کے ہاتھوں ہونے والا ہے۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اس محفل میں وہ کون سی خوش قسمت اور اہم ہستی ہے۔ میں بتاتا ہوں۔ حضرات ... زور دار تالیوں کے ساتھ ان کا استقبال کیجیے دعوت دے رہا ہوں... تشریف

لاتے ہیں جناب.... ٹھہریے....!" اور تالیوں کا سیلاب رُک گیا۔ لوگوں کے دل ہاتھوں میں آگئے۔ وہ تجسّس سے پاگل ہو رہے تھے کہ وہ کون ہے.....؟

"حضرات! اب وہ آگئے ہیں۔ ایک بار پھر معذرت کے ساتھ تالیوں کی گزارش کرتے ہوئے دعوت دے رہا ہوں جناب 'دینو بابا' کو۔"

لوگ چلّانے لگے کہ یہ کیا مذاق ہے۔ ہم سب کچھ تباہ کر دیں گے۔ اتنے بڑے لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی آپ اتنے معمولی آدمی سے افتتاح کروا رہے ہیں۔

جذبات بھری آواز ایک بار پھر گونجی "حضرات! حیرت کی بات ضرور ہے لیکن ذرا سوچیے کہ جس نے ملک کی خاطر جہاد کیا، تعلیم حاصل کی، وطن کی خدمت کی خاطر اپنی ہی ذاتی خواہش کو ترک کر دیا۔ ملک کے لیے جینے والا، ملک کا سچّا وفادار، کیا اس قابل نہیں ہے؟ اور.... اور مُقرّر کی آواز جذبات سے لرزنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے۔ سچ تو یہ ہے کہ کئی دوسرے لوگوں کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ اور پھر مُقرّر بولا کہ ویسے تو بابا دینو ایک چپراسی ہیں۔ لیکن.... لیکن اور ایک بار پھر اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا اور فضا تالیوں سے گونج اُٹھی۔

"نہیں بیٹے نہیں، رو کیوں رہے ہو؟" اور میں نے دیکھا کہ والدہ ساتھ بیٹھی ہوئی مجھے ہلا رہی ہیں اور میں آنسو پونچھتے ہوئے اُٹھ بیٹھا۔ میرے ذہن میں سوال اُبھرا کہ آخر سچّے محبِ وطن کو وہ عزّت کیوں نہیں ملتی جس کے وہ حق دار ہیں۔ لوگ بڑے جھوٹ بول کر جھوٹی اور بے مزہ شہرت حاصل کر لیتے ہیں۔

میں بڑا ہوں گا تو ضرور بابا دینو جیسوں کو سب کے سامنے لاؤں گا اور.... اور ایک بار پھر میرے آنسو بہنے لگے۔ لیکن یہ خواب کے نہیں سچّے آنسو تھے۔

سینگ دار چھپکلی

یہ ضروری نہیں کہ سینگ صرف چوپایوں ہی کے ہوں۔ مٹیالے رنگ کی ایک چھپکلی کی قسم بھی اپنے ماتھے پر چوپایوں کی طرح سینگ رکھتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ چوپایوں کی طرح زمین پر رہتی ہے۔

مرسلہ: شہلا نورین، جہلم

معلومات عامّہ

سلسلہ ۲۶۸

اس بار بھی سوالات کی تعداد دس ہے۔ تصویریں صرف دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی شائع کی جائیں گی۔ نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۲۰۔ اگست ۱۹۸۸ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے نیچے اپنا نام، پتا اور تصویروں کے پیچھے اپنا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے۔

O

۱۔ ملیشیا کتنی ریاستوں کا وفاق ہے؟

۲۔ سورج کے سب سے قریبی سیارے کا کیا نام ہے؟

۳۔ تہر پناما بحر الکاہل اور بحرِ اوقیانوس کو ملاتی ہے۔ بتائیے نہر سوئز کن کن سمندروں کو ملاتی ہے۔

۴۔ مرحوم شاہ فیصل سعودی عرب کے بادشاہ کب بنے تھے؟

۵۔ محمود غزنوی کے والد کا نام معلوم ہے آپ کو؟

۶۔ مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کا انتقال کس عیسوی سنہ میں ہوا تھا؟

۷۔ شاہ جہاں کے بیٹے دارا شکوہ کا مزار کہاں ہے؟

۸۔ پاک پتن شریف کا جہاں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا مزار ہے پرانا نام بتا دیجیے۔

۹۔ برونی دارالسلام، بورنیو کے شمال مغرب میں واقع ایک آزاد مملکت کا نام ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ کب آزاد ہوا تھا؟

۱۰۔ گھروں کی بجلی کا بل یونٹ کے حساب سے آتا ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ایک یونٹ میں کتنے واٹ ہوتے ہیں؟

Adarts-NGW-4/R

بلے اور مارے گئے

پروفیسر کیلاش ناتھ کول
ترجمہ: ڈاکٹر خلیل اللہ خاں

شام کا وقت تھا۔ ایک جنگل میں خرگوش رہتا تھا۔ اس نے اپنے بل سے نکلنے کے لیے سر نکالا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ اسے دُور تک کوئی دوسرا جانور دکھائی نہیں دیا۔ تب ہمت کر کے باہر نکل آیا اور بڑی ہوشیاری سے چاروں طرف دیکھتا ہوا جنگل کے باہر میدان میں آگیا جس میں اچھی اچھی ہری ہری گھاس اُگی ہوئی تھی۔ اُس نے گھاس کھانا شروع کی۔ بیچ بیچ میں سر گھما کر دُور تک دیکھتا رہتا تھا کہ کوئی خطرناک جانور تو نہیں آرہا ہے۔ خیریت تھی اس وقت میدان میں سناٹا تھا، اس لیے بے فکری کے ساتھ جنگل سے دُور چرتا ہوا نکل گیا۔ وہ خطرے سے ہوشیار رہتا اور مُڑ مُڑ کر چاروں طرف دیکھتا رہتا۔ ایک دفعہ جب وہ جنگل سے بہت دُور نکل گیا تب اس نے مڑ کر دیکھا تو اس کو ایک لومڑی جنگل کی طرف سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ اب وہ اپنے بل کی طرف چھپنے کے لیے واپس نہیں جاسکتا تھا۔ لومڑی نے ابھی تک خرگوش کو نہیں دیکھا تھا۔ اگر وہ گھاس میں چھپا رہتا تو ضروری نہیں تھا کہ لومڑی اس کی طرف آتی، لیکن وہ گھبرا گیا اور میدان میں دوسری طرف بھاگا تاکہ لومڑی اس کو پکڑ نہ سکے۔ جب وہ بھاگا تو لومڑی نے خرگوش کو دیکھ لیا۔ مشہور کہاوت ہے "ہلتی ہوئی چیز آسانی سے دیکھی جاسکتی ہے۔"

لومڑی کئی روز سے بھوکی تھی۔ وہ خرگوش کو پکڑنے کے لیے بھاگی۔ خرگوش اپنی جان بچانے کے لیے میدان میں بھاگا جارہا تھا اور چھپنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کر رہا تھا، لیکن کوئی جگہ اس کو نہیں مل سکی۔ لومڑی بڑی تیزی سے بھاگ رہی تھی اور خرگوش کے نزدیک پہنچ رہی تھی۔ خرگوش کبھی دائیں طرف تو کبھی بائیں طرف بھاگتا تھا کہ لومڑی اس کے پاس نہ آسکے، لیکن لومڑی برابر اس کے قریب ہوتی ہوئی نظر آتی تھی۔ خرگوش بھاگتے بھاگتے بہت تھک گیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ لومڑی اس کو پکڑ لے گی اور مار کر کھا جائے گی۔ اس نے بھاگنا یک دم بند کر دیا اور دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر کے اللہ کو یاد کرنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اللہ اب تُو ہی مجھے بچا سکتا ہے ورنہ یہ لومڑی مجھے

کھاجائے گی۔

جانور ہلتی ہوئی چیز کو جان دار سمجھتے ہیں۔ اگر وہ ان سے بڑے ہوتے ہیں تو ان پر حملہ کرتے ہیں اور مار کر کھا جاتے ہیں۔ جو چیز نہیں ہلتی ہے اُن کے لیے بے جان ہوتی ہے، اس پر حملہ نہیں کرتے۔ اگر ایک پتھر کا آدمی، گائے، بیل، بکری بنا کر جنگل میں رکھ دیے جائیں جس میں شیر اور درندے رہتے ہیں تو وہ اس پر حملہ نہیں کریں گے۔ برسات کے موسم میں روشنی کے پاس بہت سے کیڑے جمع ہوجاتے ہیں۔ ان کو کھانے کے لیے چھپکلیاں بھی آجاتی ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ اس پر حملہ نہیں کرتیں، لیکن جب کیڑا ایک جگہ بیٹھنے کے بعد دیوار پر چلتا ہے تو چھپکلی لپک کر اس کو کھاجاتی ہے۔ اکثر بچے ایک پَر کے نیچے مچھلی کا کانٹا لگاتے ہیں، اُسے دھاگے سے باندھ کر ایک لمبے بانس میں لپیٹ کر تالاب میں مچھلی کے سامنے ہلاتے ہیں۔ مچھلی اسے کیڑا سمجھتی ہے اور اُچھل کر پکڑ لیتی ہے اور کانٹا منہ میں پھنس جانے کی وجہ سے خود پکڑی جاتی ہے۔ اسی طرح کانٹے سے مچھلی پکڑنے والے کانٹے کو پانی میں ہلانے کے لیے طرح طرح کی ترکیبیں کرتے ہیں۔ اگر کانٹا نہیں ہلے تو مچھلی اس میں لگے ہوئے کیڑے کو کھانے کے لیے نہیں آئے گی۔ یہ قدرت کا

قانون ہے جس پر ساری دنیا چلتی ہے۔ اس لیے جب خرگوش ایک دم رُک گیا اور اللہ کی عبادت میں ڈوب گیا تو لومڑی کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی اس کو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بہت دیر کے بعد اس کو خرگوش جیسی چیز دکھائی دی، لیکن وہ بھاگ نہیں رہا تھا۔ اس لیے وہ خرگوش نہیں ہو سکتا تھا۔ لومڑی بیٹھے بیٹھے یہی سوچ رہی تھی کہ آخر خرگوش کہاں چلا گیا؟

تھوڑی دیر کے بعد ادھر سے ایک جنگلی کتا گزر رہا تھا اس نے لومڑی کی بُو سونگھی اور وہ لومڑی کی طرف لپکا۔ جب میدان میں آیا تو لومڑی نے کتے کو دیکھا اور گھبرا گئی، لیکن لومڑی بڑی چالاک مانی جاتی ہے۔ اس نے سوچا، اگر بھاگوں گی تو کتا مار کر کھا جائے گا۔ وہ بھاگی نہیں جیسی بیٹھی تھی ویسی ہی بیٹھی رہی۔ کتا جب نزدیک آیا تو اس نے ایک نیا تماشا دیکھا کہ خرگوش اور لومڑی جیسی چیزیں دکھائی دے رہی ہیں، لیکن دونوں ہل نہیں رہی ہیں۔ کتا ابھی سوچ رہا تھا کہ کیا کرے اتنے میں ایک بھیڑیا جنگل سے میدان کی طرف شکار کو نکلا۔ کتے نے اس کو دیکھ لیا۔ پہلے خیال کیا کہ وہ بھاگے، لیکن اس نے سوچا کہ بھیڑیا اس سے زیادہ تیز اور طاقت ور ہے اور مار کر کھا جائے گا۔ وہ جیسا بیٹھا تھا ویسا ہی بیٹھا رہا۔ بالکل نہیں ہلا۔ اس نے بھیڑیے کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ بھیڑیے نے باری باری کتے، لومڑی اور خرگوش کو دیکھا۔ سب کے سب ایک دوسرے کے دشمن جانور دکھائی دیے۔ اس کو یقین نہیں آیا کہ وہ تینوں زندہ اصلی جانور ہیں۔ وہ انھیں پتھر کی مورتیوں کی طرح دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ ایسا تماشا تو آج تک دکھائی نہیں دیا۔

بھیڑیے کے بعد جنگل سے باری باری شکاری جانور نکلتے گئے اور جب میدان میں آئے تو ان کے سامنے یہی تماشا تھا کہ ایک دوسرے کے دشمن بیٹھے ہوئے تھے، لیکن بھاگ نہیں رہے تھے اور ایک دوسرے کو مار کر کھانے کی کوشش بھی نہیں کر رہے تھے۔ جانور باری باری سے آتے تھے اور اس تماشے کے بارے میں سوچتے تھے تو خود بعد میں آنے والے زیادہ طاقت ور دشمن کو دیکھ کر بیٹھے کے بیٹھے رہ جاتے تھے۔ بھاگنے کا خیال چھوڑ دیتے تھے، کیوں کہ ان کو معلوم تھا جو بھاگا وہی دکھائی دے جائے گا۔ اور پھر اس سے طاقت ور جانور اس کو مار ڈالے گا۔ خرگوش بیٹھا اللہ کو یاد کرتا رہا اور چاروں طرف ایک دوسرے کے دشمنوں کو اس نے بٹھا کر ان کے شکار کے وقت کو ٹلنے دیا۔ دھیرے دھیرے بڑے بڑے دشمن جو وقت کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اس میدان سے ہٹتے گئے اور آخر میں خرگوش اپنے آپ کو اکیلا پا کر خاموشی سے اپنے گھر چلا گیا۔

ہمدرد نونہال، اگست ۱۹۸۸ء

صحت مند نونہال

محمد ذیشان ایوب، کراچی
محمد اقبال چنا، خیرپور میرس
ماریہ بٹ، کراچی
عبدالجبار غلام نبی بلوچ، مالیاس گوٹھ
نادیہ بٹ، کراچی
شاہد علی قریشی، حیدر آباد
مجتبیٰ احمد قادری، کراچی
عائشہ اسلم، کراچی
سید شفیق الدین، کراچی
محمد جاوید خاں نیازی، کراچی
بلال احمد قادری، کورنگی
سید کاظم حسین، کراچی
اختر احمد، لانڈھی
جاوید حسین، ٹنڈو جام
تحسین قدس، ٹھٹھہ

مُسکراتے رہو

● ایک کلاس میں اکثر لڑکے غیر حاضر رہا کرتے تھے۔ ایک دن ماسٹر صاحب کو غصہ آگیا۔ حاضری لینے کے بعد وہ غصے سے بولے:

"جو لڑکے غیر حاضر ہیں وہ کھڑے ہو جائیں۔"

مرسلہ: خرم معراج، پرانا سکھر

● ایک لڑکا دوسرے سے: اس بھکاری کی تصویر کتنی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ لگتا ہے ابھی بولنے لگے گا۔

دوسرا لڑکا: ارے جلدی سے بھاگ چلو کہیں مانگنا نہ شروع کر دے۔

● ایک آدمی نشے میں دُھت مکان کا تالا کھول رہا تھا۔ مگر ہاتھوں کے کانپنے کی وجہ سے چابی تالے میں نہیں جا رہی تھی۔

ایک آدمی نے کہا، "لاؤ میں تالا کھول دوں۔" وہ بولا، "آپ ذرا مکان تھامے رکھیں۔ میں تالا کھول لوں گا۔"

مرسلہ: فیض رسول انجم، آبری شریف

● ایک آنکھ والے شخص نے دوسرے شخص سے جس کی دونوں آنکھیں تھیں شرط لگائی کہ میں تم سے زیادہ دیکھتا ہوں۔ "وہ کیسے؟" دو آنکھ والے نے کہا۔

"میں تمہاری دونوں آنکھیں دیکھ رہا ہوں اور تم صرف ایک آنکھ دیکھ رہے ہو۔ تم ہار گئے اور میں جیت گیا۔"

● باپ: بتاؤ مکھی اور مچھر میں کیا نمایاں فرق ہے؟

بیٹا: دونوں ڈاکٹر ہیں۔

باپ: وہ کیسے؟

بیٹا: مکھی معائنہ کرتی ہے اور مچھر انجکشن لگاتا لگاتا ہے۔

مرسلہ: محمد اکرم سیالوی، چاہ سیالاں

● ایک لڑکا اپنے دوست سے کہہ رہا تھا کہ میرا بھائی بڑا موجد ہے۔ اس نے ایک ایسی صابن کی ٹکیا بنائی ہے جو بارہ فیٹ لمبی اور آٹھ فیٹ چوڑی ہے۔

دوست: تو تم نہانے وقت اتنی بڑی صابن کی ٹکیا کیسے پکڑتے ہو؟

پہلا: بھئی ہم صابن کو ہاتھ سے پکڑ کر نہیں ملتے۔ بس ٹکیا پر بیٹھ کر پھسلتے ہیں۔

مرسلہ: سید عبدالوہاب، کوئٹہ

● ڈاکٹر: اب تمھاری طبیعت کیسی ہے؟

مریض: جناب، بخار ٹوٹ گیا ہے، کمر کا درد باقی ہے۔

ڈاکٹر: ان شاء اللہ وہ بھی ٹوٹ جائے گی۔

مرسلہ: ثمینہ غنی، کراچی

● ایک آدمی جب بازار سے گھر آیا تو اس کی بیوی نے اُسے دیکھتے ہی حیرانی سے کہا، "آپ سلامت گھر آگئے اللہ کا شکر ہے۔"

خاوند نے پوچھا، "کیوں کیا بات تھی؟"

"گلی میں بچے شور مچا رہے تھے کہ ایک پاگل کنویں میں گر گیا۔"

مرسلہ: عمران بشیر، کراچی

● ایک عمارت میں رہنے والے خاندانوں میں ہر وقت لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ ہر فلیٹ میں سے چیخنے اور رونے کی آوازیں آتیں سوائے ایک گھر کے جس کے اندر سے ہمیشہ ہنسنے کی آوازیں آتیں۔ ایک صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کے گھر کے سوا ہر گھر سے رونے کی آواز آتی ہے۔ لگتا ہے آپ کے بیوی کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں۔

شوہر بولا، "لڑائی تو ہم میں بھی ہوتی ہے اگر میرا نشانہ نہ لگے تو میری بیوی ہنستی ہے اور اگر میری بیوی کا نشانہ نہ لگے تو میں ہنستا ہوں۔"

مرسلہ: عالیہ اظہر سید، کراچی

● شوہر اور بیوی شاپنگ کے لیے نکلے۔ بیوی نے کہا، "کتنی عجیب بات ہے میرے پاس دوپٹا ہے سوٹ نہیں۔ عطر کی شیشی ہے عطر نہیں۔ سینڈل کی انگوٹھی ہے ہار اور بُندے نہیں۔"

"یہی حال میرا بھی ہے۔" شوہر نے کہا، "میرے پاس جیب ہے مگر پیسے نہیں۔"

مرسلہ: عبدالرزاق ندیم، نیو کراچی

● ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک دیہاتی چڑیا گھر کی سیر کو گیا۔ وہاں اس نے ہاتھی دیکھا اور زور زور سے ہنسنے لگا۔ ہاتھی کے اوپر بیٹھے ہوئے آدمی نے پوچھا، "کیا تم نے پہلے کبھی ہاتھی نہیں دیکھا جو اس قدر ہنس رہے ہو؟"

دیہاتی نے جواب دیا، "ہاتھی تو بہت دیکھے مگر ہاتھی کے اوپر ہاتھی پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

مرسلہ: کامران بلال، کراچی

● ایک بھکاری بینک کے دروازے سے اندر داخل ہونا ہی چاہتا تھا کہ چوکی دار نے اسے روک دیا۔

"جاؤ بابا جاؤ، یہاں تمھیں کچھ نہیں ملے گا۔"

بھکاری نے چوکی دار کو حقارت سے گھورتے ہوئے کہا، "بے وقوف، میں یہاں بھیک مانگنے نہیں اپنے اکاؤنٹ میں پانچ ہزار رُپے جمع کرانے آیا ہوں۔"

مرسلہ: غفلی ظہیر، کراچی

● پہلا دوست: تم خط اتنے دھیرے دھیرے کیوں لکھ رہے ہو؟

دوسرا دوست: اس لیے کہ میری بیوی بہت دھیرے دھیرے پڑھتی ہے۔

مرسلہ: سمیرا خیال، کراچی

● بس کنڈکٹر نے ایک خاتون سے اُن کے بچّے کا ٹکٹ مانگتے ہوئے کہا، "یہ بچّہ تین سال سے زیادہ عمر کا ہے اس کا آدھا ٹکٹ لینا پڑے گا۔"

خاتون بولیں، "لیکن یہ تین سال کا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ میری شادی کو دو سال ہوئے ہیں۔"

کنڈکٹر نے جواب دیا، "میں نے بچّے کا ٹکٹ مانگا ہے خاتون آپ کی شادی کا سرٹیفکیٹ نہیں۔"

مرسلہ: حسن مہدی خراسانی، کراچی

● استاد جماعت میں داخل ہوئے تو ایک کتاب دروازے پر پڑی تھی۔

استاد (غصّے سے) یہ کتاب کس کی ہے۔

لڑکا: جناب مولانا حالی کی۔

● شوہر (بیوی سے) تم ایک گھنٹے سے دروازے پر کس سے باتیں کر رہی تھیں؟

بیوی: اپنی سہیلی سے بے چاری کو اندر آنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ مرسلہ: سید محمد حسین، کراچی

● وکیل (گواہ سے) تم جو کہو گے سچ کہو گے۔ سچ کے سوا کچھ نہیں کہو گے۔

گواہ: میں جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔

وکیل: ۱۲ دسمبر کی رات کو تم نے اپنے پڑوسی کے گھر سے چیخ کی آواز سُنی؟

گواہ: سچ۔

وکیل: تم فوراً پڑوسی کے گھر کی طرف بھاگے اور کھُلے ہوئے دروازے سے تم نے ایک عورت کی لاش دیکھی؟

گواہ: سچ۔

وکیل: تم نے قاتل کو بھاگتے ہوئے دیکھا؟

گواہ: سچ۔

وکیل: قاتل کو جانتے ہو؟

گواہ: سچ

وکیل: کون تھا؟

گواہ: سچ

وکیل: (بڑے غصّے سے) یہ تم نے سچ سچ کی کیا رٹ لگا رکھی ہے۔ صحیح صحیح جواب دو۔

گواہ: آپ ہی نے تو کہا تھا کہ سچ کہنا سچ کے سوا کچھ نہ کہنا۔ مرسلہ: محمود علی بلوچ، شہداد کوٹ

● ایک صاحب جلدی میں آفس جا رہے تھے۔ ان کی بیگم نے جلدی سے کہا، "یہ چائے تو پیتے جائیے۔" وہ جلدی سے آئے اور چائے پی۔ پھر واپس مُڑے۔ اُن کی بیگم نے کہا، "یہ ٹائی۔"

جواب دیا، "رکھ لو آ کر پی لوں گا۔"

● ایک بے وقوف نے اپنے دوست کو خط لکھا اور پوسٹ کرنے جا رہا تھا کہ خط چھوٹ گیا اور اُڑنے لگا بے وقوف کافی دیر تک اس کے پیچھے بھاگا پھر اُس نے کہا:

"اچھا جانے دو ہوائی ڈاک سے پہنچ جائے گا۔"

مرسلہ: نزہت فاطمہ، کراچی

نونہال مصوّر

چنا شاہ، مردان

محمد آفتاب عالم، کراچی

ندیم احمد خانزادہ، سکرنڈ

نازیہ محفوظ، کراچی

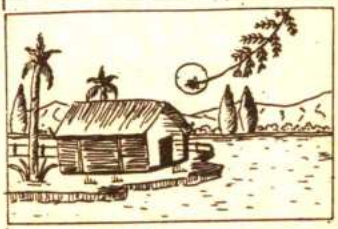

نادیہ نوشین نثار، مردان

بشرا انور، کراچی

شازیہ صابر، لاہور

زبیر احمد، کراچی

بختیار حمیدی، روہڑی

محمد جاوید اقبال سہتہ، رانی پور

سید عسکری حسن، ملتان

نونہال ادیب

حمد باری تعالیٰ

پسند: زبیدہ خاتون

الحمد کہ ہر شے سے ظاہر ہے نشاں تیرا
حقّا کہ تو واحد ہے ثانی ہے کہاں تیرا

پھولوں کی اداؤں سے بلبل کی صداؤں سے
گلشن کی فضاؤں سے ہے وصف عیاں تیرا

کوئل کی ہو کو کو یا پی پی ہو پپیہے کی
وہ حمد و ثنا تیری یہ ذکر و بیاں تیرا

بندوں کا عمل کوئی تجھ سے نہیں پوشیدہ
نزدیک تر اتنا ہے شہ رگ سے مکاں تیرا

قیصر کو کیا تو نے اُمّت میں محمدؐ کی
ہو شکر نہ کیوں ہر دم پھر نوکِ زباں تیرا

نعت

پسند: شیر افضل خان حیدر آباد

ہم دل سے ہیں تم پر فدا حضرت محمدؐ مصطفیٰ
تم نے خدا کے حکم سے ڈنکا بجایا دین کا
پھیلا کے نور اسلام کا جگ میں اجالا کر دیا
ایمان کا انصاف کا پیغام دنیا کو دیا

دنیا میں ہم کیا کچھ کریں کیا ہے بھلا کیا ہے برا
اوروں کا ہم پر حق ہے کیا کیا حق ہے اپنی ذات کا
اور کیا ہے حق اللہ کا یہ ہم کو سب سمجھا دیا
ہر بات میں سو خوبیاں ہر قول حکمت سے بھرا

آؤ پڑھیں اس نام پر!
صَلِّ علیٰ صَلِّ علیٰ

شاعر: جناب سعید انصاری

بیٹے کی قربانی

پسند: شازیہ سلطانی حقی

پدر بولا کہ بیٹا آج میں نے خواب دیکھا ہے
کتابِ زندگی کا اِک نرالا باب دیکھا ہے

یہ دیکھا ہے کہ میں خود آپ تجھ کو ذبح کرتا ہوں
خدا کے حکم سے تیرے لہو میں ہاتھ بھرتا ہوں

سعادت مند بیٹا جھک گیا فرمانِ باری پر
زمین و آسماں حیران تھے اس طاعت گزاری پر

رضا جوئی کی یہ صورت نظر آتی نہ تھی اب تک
یہ جرأت پیشتر انسان نے دکھلائی نہ تھی اب تک

عجب بشاش تھے دونوں رضائے ربِّ عزت پر

تأمل یا تذبذب کچھ نہ تھا دونوں کی صورت پر
کہا فرزند نے اے باپ! اسمٰعیل صابر ہے
خدا کے نام پر بندہ پئے تعمیل حاضر ہے
مگر آنکھوں پہ اپنی آپ پٹی باندھ لیجیے گا
میرے ہاتھوں میں اور پیروں میں رسّی باندھ دیجیا
مبادا آپ کو صورت پہ میری رحم آجائے
مبادا میں تڑپ کر چھوٹ جاؤں ہاتھ تھرّائے
پسر کی بات سن کر باپ نے تعریف فرمائی
یہ رسّی اور پٹّی باندھنی ان کو پسند آئی
ہوئے اب ہر طرح تیار دونوں باپ اور بیٹا
چُھری اس نے سنبھالی تو یہ جھٹ قدموں پہ آلیٹے
پچھاڑا اور گھٹنا سینۂ معصوم پر رکھا
چُھری پتّھر پہ رگڑی ہاتھ کو حلقوم پر رکھا
زمیں سہمی پڑی تھی آسماں ساکن تھا بے چارہ
نہ اس سے پیشتر دیکھا تھا یہ حیرت کا نظارہ
پدر تھا مطمئن بیٹے کے چہرے پر بحالی تھی
چُھری حلقومِ اسماعیلؑ پہ چلنے ہی والی تھی
مشیّت کا مگر دریائے رحمت جوش میں آیا
کہ اسماعیلؑ کا اِک رونگٹا کٹنے نہیں پایا
ہوئے جبریلؑ نازل اور تھاما ہاتھ حضرتؑ کا
کہا بس امتحاں مقصود تھا ایثار و جرأت کا
خطاب اس دن سے اسماعیل نے پایا ذبیح اللہ
خدا نے آپ ان کے حق میں فرمایا ذبیح اللہ

شاعر: حفیظ جالندھری

آزادی کا دن

پسند: محمد سہیل جمیل احمد، کراچی

بچوں نے شور مچایا ہے
آزادی کا دن آیا ہے

آزاد ہوئے تھے آج کے دن
ہم شاد ہوئے تھے آج کے دن

آزاد ہیں ہم محکوم نہیں
اب شاد ہیں ہم مغموم نہیں

ہم طوفانوں کے پالے ہیں
آزادی کے رکھوالے ہیں

جو بھی ہم سے ٹکرائے گا
ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا

ہم پاک وطن کی عظمت پر
قربان کریں گے جان و جگر

آزادی شان ہماری ہے
آزادی جان ہماری ہے

پاکستان

پسند: رخسانہ حفیظ

دہر کی آب و تاب پاکستان
اک شاعر کا خواب پاکستان

آپ اپنا جواب پاکستان

اس کا پرچم ہے دل کشا پرچم
اس کے بانی ہیں قائد اعظم

کیوں نہ ہو لاجواب پاکستان

ایک انساں کی سخت کوشی سے
ایک ذرّے کی گرم جوشی سے
بن گیا آفتاب پاکستان
عزم و ہمّت کی شاہراہوں میں
جاہ و حشمت کی بارگاہوں میں
ہوگیا باریاب پاکستان
اس کا چرچا ہے باغ و صحرا میں
اس کا شہرہ ہے ساری دنیا میں
ایک ہے انتخاب پاکستان
اے خدا حشر تک رہے آزاد
اے خدا حشر تک رہے آباد
حاصل انقلاب پاکستان

روشنی کے عَلَم

پسند: ندیم حبیب

روشنی کے عَلَم روشنی کے نشاں
زندہ قوموں کے زندہ جواں
اپنی پلکوں پہ نیندیں سجاتے نہیں
اپنے ماتھوں کی شمعیں بجھاتے نہیں
توڑ دیتے ہیں زنجیرِ خوابِ گراں
زندہ قوموں کے زندہ جواں
ان کی ہمّت سے ڈرتے ہیں طوفاں تک
پھیل جاتے ہیں شہروں سے میدان تک
جا کے دیتے ہیں صحرا بہ صحرا اذاں
زندہ قوموں کے زندہ جواں
جذبۂ بے کراں عام کرتے ہیں وہ
جلتے شعلوں پہ آرام کرتے ہیں وہ
گاڑ دیتے ہیں وہ عظمتوں کے نشاں
زندہ قوموں کے زندہ جواں
حوصلہ ان کا غم سے نہیں ٹوٹتا
ان کے شہروں میں سورج نہیں ڈوبتا
آگے بڑھتے ہیں وہ مثلِ سیلِ رواں
زندہ قوموں کے زندہ جواں

(شاعر: ساقی جاوید)

آج اور کل

پسند: محی الدین، لاہور

آج کا کام جو کل پر چھوڑا
کل بھی رہے گا یوں ہی تھوڑا
کب دنیا میں کل آتی ہے
کل تو آج میں ڈھل جاتی ہے
کل کل مت کر پچھتائے گا
وقت کا پنچھی اُڑ جائے گا

باجی کی گڑیا

پسند: عزیز احمد تبسم، طوطالیے

باجی کی اک گڑیا ہے یہ آفت کی پڑیا ہے
اس کے بال سُنہری ہیں آنکھیں نیلی گہری ہیں
کپڑے رنگ رنگیلے ہیں اودے لال اور نیلے ہیں
ہاتھ کہیں چھو جائے تو کہہ دیتی ہے باجی کو
گڑیا چپ ہو جاتی ہے باجی شور مچاتی ہے

ہمدرد نونہال، اگست ۱۹۸۸ء

آزادی

حامد علی شاہد، لاوہ

اگست کے مہینے میں ہم آزاد ہوئے تھے۔ یہ آزادی ایک سو سال سے زیادہ عرصے کی جدوجہد اور جنگ و جدل کا حاصل ہے۔ تحریکِ مجاہدین کی ابتدا سے لے کر تحریکِ پاکستان کی کامیابی تک ہندی مسلمانوں نے آزادی کی تڑپ کو جان اور خون کے نذرانے دے کر زندہ رکھا تھا۔ یہ آزادی حیدر علی سے محمد علی جناح تک کی قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں کے اتحاد اور ایثار کا ثمر تھا۔ یہ آزادی کسی رہگزر پر پڑی نہیں ملی تھی۔ یہ اس راہگزر کی منزل ہے جس پر آزادی کے متوالے اپنی لاشیں بکھیرتے آئے ہیں۔ اس رہگزر پر وہ اپنے لہو کے چراغ جلتے چھوڑ گئے تھے تاکہ ان کے بعد آنے والے بھٹک نہ جائیں۔ خون میں نہایا ہوا یہ قافلہ منزل پر پہنچ ہی گیا۔ اس منزل کے مقدس پرچم کے گہرے سبز رنگ میں مردوں کا، عورتوں کا، بچوں کا اور قوم کی لاکھوں بیٹیوں کا خون رچا ہوا ہے۔ اسی لہو نے اس پرچم کو تقدس بخشا ہے۔ مگر یہ پرچم ان لوگوں کے ہاتھ میں آگیا جو شریکِ سفر نہ تھے۔ ان کو آزادی کی قدر معلوم نہ تھی کہ پاکستان کن کن مصائب کے بعد ملا ہے۔ اس کی قدر کرنا تو صرف وہ جانتے ہیں جنھوں نے اپنا لہو اس کی خاطر دیا تھا۔ کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے منزل اپنے مسافروں کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔

اگر پاکستان نہ ہوتا تو یوں اسلام سربلند نہ ہوتا۔ مسجدوں کے لاؤڈ اسپیکر پانچ وقت مسلمانوں کو اپنی طرف بلا رہے ہیں، مگر کوئی بھی مسجد میں نہیں جاتا۔ یہ تمام مسلمان جنھوں نے پاکستان کو سنبھال رکھنے کا حلف اٹھایا تھا آج دہشت گردی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کو لوٹ رہے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ وہ جس گھر کو آگ لگا رہے ہیں وہ اپنا ہی ہے۔ کاش انھیں آزادی کی قدر معلوم ہو جائے۔ کاش ان میں قائدِ اعظمؒ، علامہ اقبالؒ، سید احمد شہیدؒ، ٹیپو سلطانؒ اور جوہرؒ پیدا ہو جائے۔

سال گرہ

صائب کلیم، شہداد پور

کاشف جیسے ہی اسکول سے گھر آیا تو امی کو سلام کرتے ہی امی جان سے کہنے لگا، "امی جان! ہمارے ماسٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ پرسوں پاکستان کی سال گرہ ہے۔"

کاشف کی امی نے کہا، "ہاں بیٹا! تمھارے ماسٹر صاحب ٹھیک کہہ رہے تھے کہ پرسوں یعنی چودہ اگست کو پاکستان کی سال گرہ ہے۔"

کاشف نے پوچھا، "لیکن امی جان! پاکستان کوئی آدمی تو نہیں جس کی سال گرہ منائی جائے۔"

امی نے کہا، "ہاں بیٹا! یہ بات تو بالکل درست ہے کہ پاکستان کوئی آدمی نہیں، لیکن یہ ہمارا ملک ہے جو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو بنا تھا۔ اسی لیے اس دن کو یاد رکھنے کے لیے ہر سال ۱۴ اگست کو جشنِ آزادی یعنی آزادی

کی خوشی یا سال گرہ مناتے ہیں۔"

کاشف نے پوچھا، "امی جان! لوگ اس کی سال گرہ منانے کے لیے کیا کرتے ہیں؟ کیا اس کے لیے بھی لوگ کیک بناتے ہیں؟"

کاشف کی امی کو اس کی معصومانہ بات پر ہنسی آگئی۔ انھوں نے کہا کہ بیٹا پہلے تم کپڑے بدل کر ہاتھ دھو کر کھانا کھالو۔ پھر میں تمھیں تفصیل سے بتاؤں گی۔

کاشف کھانا کھا کر امی جان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

کاشف کی امی نے اسے بتایا کہ لوگ پاکستان کی سال گرہ منانے کے لیے ۱۴ اگست کو اپنی دکانوں اور گھروں کو جھنڈیوں سے، رنگ برنگی روشنیوں سے اور قومی پرچم سے سجاتے ہیں۔"

کاشف نے پوچھا، "امی جان! پرچم کسے کہتے ہیں؟"

کاشف کی امی نے کہا، "بیٹا! پرچم ملک کا قومی نشان ہوتا ہے۔ ہر ملک کا اپنا قومی پرچم ضرور ہوتا ہے۔ پاکستان کا بھی اپنا پرچم ہے جسے جھنڈا بھی کہتے ہیں۔"

کاشف نے کہا، "اچھا وہ جھنڈا جو پچھلے سال بھائی جان نے لگایا تھا؟"

"ہاں! جو پچھلے سال بھائی جان نے لگایا تھا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اس کا رنگ کیسا تھا؟"

"اس کا رنگ ہرا اور سفید تھا۔"

"اور کیا تھا اس پر؟"

"امی جان! اس پر ایک چاند اور چاند کے بیچ میں ایک تارا بھی تھا۔"

"ہاں پاکستان کے جھنڈے کا رنگ سبز اور سفید ہے۔ جس میں سبز رنگ، جو زیادہ ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور سفید رنگ اقلیتوں یعنی مسلمانوں کے علاوہ جتنی قومیں یہاں آباد ہیں ان کو ظاہر کرتا ہے۔"

"اس میں چاند تارا بھی کسی چیز کو ظاہر کرتا ہے؟"

"ہاں بیٹا! اس میں چاند تارا بھی کسی مقصد کے لیے بنا ہوتا ہے۔ تارا اسلام کے پانچ ارکان کو ظاہر کرتا ہے، اس کے پانچ کونے ہوتے ہیں۔ کیا تمھیں پتا ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان کون سے ہیں؟"

"امی جان! اسلام کے پانچ ارکان توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں۔"

"شاباش بیٹا! تمھیں تو اچھی طرح سے یاد ہیں۔"

کاشف خوش ہوتے ہوئے بولا، "امی جان! ہم اب کے بھی جھنڈا لگائیں گے نا؟"

امی جان نے جواب دیا، "ہاں بیٹا انشاءاللہ اس مرتبہ بھی جھنڈا لگائیں گے۔ اس کے علاوہ جھنڈیاں اور روشنیاں بھی لگائیں گے تاکہ پاکستان کی سال گرہ اچھی طرح منا سکیں۔"

خیالی پلاؤ

افشیں نثار، کراچی

نہ جانے میں نے کہاں سے خیالی پلاؤ کا نام سن لیا۔ اس وقت سے میں اسی شش و پنج میں ہوں کہ

خیالی پلاؤ کیسا ہوتا ہے اور کیسے پکتا ہے۔ بہت سے لوگوں سے پوچھا مگر جواب میں ڈانٹ کے علاوہ اور کچھ نہ ملا۔ ایک دن باجی شام کی چائے بنا رہی تھیں اور میں ان سے باتیں کر رہی تھی کہ میں بہت سی کہانیاں لکھ کر مختلف رسالوں میں بھیجوں۔ میری کہانیاں بہت پسند کی جائیں گی۔ پھر میں اور کہانیاں بھیجوں گی جو اس طرح پسند کی جاتی رہیں گی۔ اور اس طرح میرا نام بہت مشہور ہو جائے گا۔ ادب کی دنیا میں ایک ہلچل مچ جائے گی۔ ابھی میں یہ کہہ ہی رہی تھی کہ اچانک امی آگئیں اور کہنے لگیں:

"کیا خیالی پلاؤ پک رہا ہے؟ کچھ ہمیں بھی تو کھلاؤ۔" خیالی پلاؤ کا نام سن کر میں ایک دم چونک گئی اور بے ساختہ بولی، "خیالی پلاؤ؟ کہاں ہے؟" خیر اس وقت معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ ایک دن ہمارا ہوم اکنامکس کا پیریڈ تھا اور میڈم ہمیں خیالی پلاؤ او ہو معاف کیجیے گا جہاں بھی پلاؤ کا نام آتا ہے زبان اور قلم پھسل کر پلاؤ سے خیالی پلاؤ کہہ جاتے ہیں۔ ہاں تو ہم کہہ رہے تھے کہ جب ہمارا ہوم اکنامکس کا پیریڈ تھا تو میڈم ہمیں پلاؤ (خیالی پلاؤ نہیں چاولوں کا پلاؤ) پکانے کا طریقہ بتا رہی تھیں۔ پلاؤ کا نام سن کر ایک دم مجھے خیالی پلاؤ کا خیال آیا۔ میں نے اپنا ہاتھ کھڑا کر کے کہا، "میڈم! کیا آپ مجھے خیالی پلاؤ پکانے کا طریقہ بتا سکتی ہیں؟" اس بات کا میرے منہ سے نکلنا تھا کہ پوری کلاس ہنسنے لگی۔ میڈم نے مجھے گھور کر کہا، "یہ کیا مذاق ہے؟ بیٹھ جائیں آرام سے اور یاد رکھیں اگر آئندہ آپ نے میرے ساتھ اس قسم کا مذاق کیا تو میں آپ کو کلاس سے باہر نکال دوں گی۔"

میں چپ چاپ بیٹھ گئی لیکن دل میں یہ خیال بھی تھا کہ اس میں بدتمیزی والی کون سی بات ہے میں نے تو خیالی پلاؤ پکانے کا طریقہ پوچھا تھا۔ ایک پیریڈ میں ہماری میڈم نہ آئیں تو سب لڑکیوں نے کہا، "آؤ آج افشین کا خیالی پلاؤ پکائیں۔" یہ سن کر میں خوشی سے پھولی نہ سمائی کہ اب مجھے خیالی پلاؤ پکانے کا طریقہ پتا چل جائے گا۔ میں نے کہا، "ہاں بھئی! سب سے پہلی باری ہے حرا کی۔" حرا کہنے لگی، "کاش میری ایک سونے کی کان ہوتی۔ اس کان کو میں دُگنے داموں بیچ کر دو اور کانیں خرید لیتی۔ اسی طرح کرتے کرتے میں ہزاروں کانوں کی مالک ہو جاتی۔" پھر عمارہ کہنے لگی، "تم کیا جانو میں لاکھوں گھروں کی مالک ہوتی۔" اسی طرح سب نے ایسی بے تکی باتیں کیں۔ آخر میں میری باری آئی تو میں نے کہا، "خیالی پلاؤ کہاں ہے؟" ارم نے کہا، یہی سب باتیں تو تھیں خیالی پلاؤ۔" میں نے بے یقینی سے کہا، "کیا باتوں کو خیالی پلاؤ کہتے ہیں؟" انعم ہنس کر کہنے لگی، "تو تم کیا سمجھتی ہو خیالی پلاؤ کوئی مرغ پلاؤ کی طرح پکتا ہے۔" اب میری سمجھ میں آیا کہ جب بھی میں کسی سے خیالی پلاؤ کے بارے میں پوچھتی تو مجھے ڈانٹ کیوں پڑتی تھی اور اس دن ہوم اکنامکس کی ٹیچر نے خیالی پلاؤ کا طریقہ معلوم کرنے پر مجھے کیوں ڈانٹا تھا۔

ہمدرد نونہال، اگست ۱۹۸۸ء

لالچ بری بلا

اسما شفیق ، کراچی

ہماری خالہ کا گھر ہمارے گھر سے کافی قریب ہے، اس لیے اکثر آنا جانا رہتا ہے ۔ ہمارے خالہ زاد بھائی ہم سے کافی چھوٹے ہیں اور کچھ زیادہ ہی شریر بھی ہیں۔ جب ہم اور ہمارے خالہ زادہ بھائی بہن آپس میں ملتے ہیں تو سارا گھر بازار بن جاتا ہے ۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی ہنگامہ ہوتا ہے۔

ہوا یوں کہ جب ہم کل اپنی خالہ کے گھر پہنچے تو ہمارے بہن بھائی ہمیں دیکھ کر خوش ہوگئے۔ ہم لوگ کھیلنے کی غرض سے سب سے اوپر والی منزل پر پہنچ گئے۔ جہاں منڈیر بھی نہیں ہے۔ وہاں سے باہر کا منظر صاف نظر آتا تھا۔ برابر والے گھر کے صحن میں ایک بہت اونچا درخت تھا۔ جس میں لاتعداد چیکو لگے ہوئے تھے۔ چیکو تو ہم سب ہی کو بہت پسند ہیں۔ چناں چہ سب نے پروگرام بنایا کہ توڑ کر ہی دم لیں گے۔ ہمارے چھوٹے بھائی زاہد جو اُچھلنے کودنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں، فوراً لنگور کی طرح ایک دیوار سے دوسری دیوار اور دوسری دیوار سے نیچے والی دیوار پر اور پھر کود کر چھجے پر پہنچ گئے۔ ہمارے دوسرے بھائی دوسری منزل پر تیار کھڑے تھے۔ باقی سب لوگ سب سے اوپر والی منزل پر موجود تھے۔ ہمارے بھائی جلدی جلدی چیکو توڑ کر ہماری طرف پھینکتے اور ہم لپک لیتے۔

جب بہت سارے چیکو جمع کرلیے تو کچھ سکون ہوا۔ سوال اب یہ تھا کہ ان کو لے کر کیسے جائیں۔ ابھی ہم ان چیکوؤں کو ترتیب دے ہی رہے تھے کہ ہمیں ان میں عجیب سی مہک محسوس ہوئی۔

سوچا کہ خالہ جان سے پوچھ لیتے ہیں۔ ہم سب خالہ جان کے پاس پہنچ گئے۔ ہم نے ان سے کہا کہ یہ چیکو ہم بازار سے خرید کر لائے ہیں لیکن پتا نہیں کیسے ہیں۔ ان میں عجیب طرح کی بو ہے۔ اس پر انھوں نے ایک چیکو اٹھایا اور کہنے لگیں، "یہ تم لوگوں نے کس سے خریدے ہیں؟ یہ تو کوئی جنگلی پھل ہے۔"

یہ سننا تھا کہ ہم سب کے ہوش اڑ گئے اور چیکو کھانے کا شوق وہیں ہوا ہوگیا۔ ہمارے ذہن میں وہ منظر گردش کرنے لگا جب بھائی صاحب جلدی جلدی چیکو توڑ کر ہماری طرف پھینکتے اور ہم جلدی سے لپک لیتے۔ ہم نے سوچا کہ اگر ہم پہلے اس پھل کے بارے میں معلوم کرلیتے تو اچھا ہوتا مگر ہم پر تو لالچ سوار تھا۔ لالچ کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔

جائز جھوٹ

عبدالجبار، ٹنڈو جام

مومن پانچویں جماعت کا طالب علم تھا۔ آج کل وہ امتحانات سے فارغ ہوچکا تھا، اس لیے اس نے نتیجہ نکلنے تک کے دن اپنی خالہ کے ہاں گزارنے کا پروگرام بنایا۔ خالہ نے کئی مرتبہ اس سے اپنے گھر آنے کو کہا تھا۔

اگلے دن صبح مومن اٹھا اور خالہ کے ہاں جانے کی تیاری کرنے لگا۔ پھر اس نے اپنی والدہ سے دعائیں، ڈھیروں

پیار اور اجازت لی اور اسٹیشن کی جانب روانہ ہوگیا۔

گاڑی آنے میں ابھی تھوڑی دیر تھی۔ مومن ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس کو احساس ہوا کہ کوئی مسلسل اسے دیکھ رہا ہے۔ پہلے تو مومن نے اسے اپنا وہم سمجھ کر ٹالنا چاہا لیکن رفتہ رفتہ اس کے دل کی دھڑکن بڑھتی جارہی تھی۔ ایک شخص اسے مسلسل دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ مومن نے سنا تھا کہ بہت سے آدمی بچوں کو اغوا کرکے لے جاتے ہیں اور ان کے والدین سے ان کے بدلے میں بہت سارا روپیہ طلب کرتے ہیں۔ یہ بات یاد آتے ہی خوف کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔

مومن کوشش کررہا تھا کہ اس کے چہرے سے کسی قسم کی گھبراہٹ ظاہر نہ ہو۔ ویسے بھی اس کے اردگرد بہت سے لوگ موجود تھے۔ اس سے کا حوصلہ بڑھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ شخص آہستہ آہستہ مومن کی طرف بڑھتا نظر آیا اور آکر اس کے برابر بیٹھ گیا۔ اس آدمی نے پوچھا، "بیٹے! تمھارا نام کیا ہے؟"

مومن نے خود کو سنبھالا اور حوصلے سے جواب دیا،

"میرا نام مومن ہے جناب!"

"کہاں رہتے ہو؟"

"جی وہ ..... یہاں ..... یہیں۔"

آدمی مسکرایا، "اکیلے جارہے ہو؟"

مومن نے کہا، "جی" "کہاں جارہے ہو؟"

اب مومن نے ذرا سنبھل کر جواب دیا، "میں کراچی جارہا ہوں جناب!" آدمی مسکرایا اور بولا،

"واہ بھئی کمال ہے! اتفاق سے میں بھی کراچی جارہا ہوں۔ چلو اچھا ہوا سفر اچھا کٹ جائے گا۔" مومن نے سر ہلا دیا۔ اب وہ مطمئن تھا۔ اسے خوشی تھی کہ میں گھبرایا نہیں۔ اب اسے بدین کی گاڑی کا بے چینی سے انتظار تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں بدین اور کراچی جانے کے لیے دو گاڑیاں آگئیں۔ آدمی نے اِدھر اُدھر دیکھا اور مومن سے سرگوشی میں پوچھا، "کیا تم پڑھتے بھی ہو؟"

مومن نے معصومیت سے جواب دیا، "نہیں جناب! ہم تو اتنے غریب ہیں کہ گھر میں روٹی مشکل سے چلتی ہے، پڑھنا تو دور کی بات ہے۔ ویسے آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

آدمی نے جلدی سے کہا، "کچھ نہیں میں تو ایسے ہی پوچھ رہا تھا، آؤ چلو کراچی جانے کے لیے گاڑی آگئی ہے۔"

اتنے میں بدین والی گاڑی نے سیٹی دی اور مومن کو وہ آدمی لے کر کراچی جانے والی گاڑی کی جانب بڑھا۔

مومن اس کا ارادہ سمجھ چکا تھا۔ چناں چہ اس نے قریب کھڑے ایک پولیس والے سے پوچھا، "جناب! یہ گاڑی کہاں جائے گی؟" "بیٹا! کراچی جائے گی۔" پولیس والے نے جواب دیا۔ یہ سُن کر مومن آدمی کی جانب مڑا تاکہ اسے بتائے لیکن وہاں سے وہ غائب تھا۔ مومن سمجھ گیا کہ وہ پولیس کے ڈر سے بھاگ گیا ہے۔ وہ مسکرا دیا۔ آج اس نے انتہائی حوصلے کا ثبوت دے کر اس بردہ فروش

سے خود کو بچالیا تھا۔ پھر وہ بدین جانے والی گاڑی کی طرف بڑھا اور سیٹ پر جاکر بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں پلیٹ فارم پر تھیں لوگ آجارہے تھے۔ ایک چیخ وپکار مچی ہوئی تھی۔ اتنے میں بدین جانے والی گاڑی چل پڑی۔

اچانک وہی آدمی بدین جانے والی گاڑی کی طرف بڑھا۔ وہ لوگوں کے مجمع میں سے نکلا تھا۔ اس کی نظریں مومن پر جمی ہوئی تھیں لیکن اب گاڑی تیز ہوچکی تھی اور جوں جوں گاڑی تیز ہوتی جاتی تھی مومن کی مسکراہٹ میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

"شاباش بیٹے! لیکن بیٹا تم نے اس سے جھوٹ کیوں بولا کہ تم نہ تو پڑھنا جانتے ہو اور نہ ہی بدین جارہے ہو" مومن کی خالہ نے تمام قصہ سن کر پوچھا۔ مومن نے جواب دیا، "خالہ جان! اگر کسی کی جان جھوٹ بولنے سے بچتی ہے تو وہ انسان جھوٹ بول سکتا ہے۔"

یہ سن کر مومن کی خالہ مسکرائیں اور مومن کا ماتھا پیار سے چوم کر اسے گلے لگایا۔

اقبال کے شاہین سے

کنول اقبال، کراچی

چودہ اگست ہماری بے پایاں خوشیوں اور مسرتوں کا دن ایک عظیم دن ہے جب اس دنیا کے سینے پر دوسری اسلامی نظریاتی مملکت کا نام اُبھرا۔ جی ہاں... پہلی اسلامی نظریاتی ریاست سعودی عرب تھی اور دوسری اسلامی جمہوریہ پاکستان۔ جسے صرف اور صرف اسلام کے لیے حاصل کیا گیا اور قائداعظمؒ نے فرمایا تھا کہ ہم نے پاکستان صرف اور صرف اس لیے حاصل کیا ہے کہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ چاہتے ہیں جہاں اسلامی اصولوں کو آزمایا جاسکے، یعنی ہمارا معاشی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی اخلاقی اور روحانی نظام صرف اسلام ہو۔

چودہ اگست شکر و سپاس اور تجدید عہد کا دن ہے، وہ عہد جو اس ملک کو پانے والوں نے ان شہیدوں سے کیا تھا جن کے خون کا قطرہ قطرہ لا الٰہ الا اللہ پر گواہ تھا۔ ہمیں قید و بند کی صعوبتوں سے نجات دلائی گئی اور آج ہم اس آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ حیف صد حیف ان لوگوں پر جو آزادی کی اتنی قدر و قیمت بھی نہیں جانتے اور کہہ جاتے ہیں کہ پاکستان نے ہمیں دیا کیا ہے؟ آہ.... کیسا افسوس کا مقام ہے۔ بھلا وہ پاکستان کی تعمیر کس طرح کرسکتے ہیں جو اس ننھے سے زمین کے ٹکڑے کی قدر و قیمت سے واقف نہ ہوں کہ یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ بڑی بڑی لوہے کی چادروں سے زیادہ ایک چھوٹے سے ہیرے کی قدر و قیمت زیادہ ہوتی ہے صرف اس لیے کہ وہ ہیرا ہے۔ ہمارا پیارا پاکستان بھی اس ہیرے کی طرح ہے جس کے آگے بڑے بڑے ملکوں کی چمک ماند پڑ جاتی ہے، کیوں کہ یہ صرف اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے۔

چودہ اگست ہمارے لیے جشن آزادی کا دن ہے۔ ہماری مسرتوں بھری عید ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ لمحۂ فکریہ بھی ہے کہ آج پاکستان میں کیا کیا ہورہا ہے؟ ایک ہی جسم کے حصے آپس میں ایک دوسرے کو کاٹنے لگے۔ دشمن پر

اٹھنے والے ہتھیار بھائیوں پر اٹھنے لگے۔ دوست خود ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے۔ کوئی کسی کا نہ رہا۔ وہ مسلمان پتا نہیں کہاں گیا جس نے اس مملکت کو حاصل کیا تھا۔ آج ہر شخص اپنے حق کی، اپنی ذات کی جنگ کیوں لڑ رہا ہے؟

ماہ اگست یعنی جشنِ عید پر ہم اور سارے نونہال اپنے بزرگوں سے اپنی عیدی چاہتے ہیں اور بس وہ یہ ہے کہ للہ ہمیں اتنی خوشیاں دے دیں کہ ہم جشنِ آزادی کو آزاد قوم کی طرح منا سکیں۔

مٹھائی کا ڈبا

حسیب رحمانی، نئی کراچی

یوں تو ہم نے بچپن میں بہت شرارتیں کی ہیں لیکن آج ہم آپ کو اپنی ایک یادگار شرارت کے بارے میں بتا رہے ہیں۔ ہوا یوں کہ ایک دن ہمارے ابا جنھیں ہم ابائی بھی کہتے ہیں، مٹھائی لے کر آئے اور انھوں نے مٹھائی کا ڈبا میز پر رکھتے ہوئے امی سے کہا کہ یہ مٹھائی دوپہر کے کھانے کے بعد دینا۔ مگر صاحب ہم کو ابائی کے اس اعلان سے ہرگز اتفاق نہ تھا۔ ہماری نظریں مسلسل ڈبے پر لگی ہوئی تھیں کہ کسی طرح بس ڈبا حاصل کر کے اس پر حملہ آور ہوں اور اپنا وار چلائیں لیکن ہمیں یہ پتا نہ تھا کہ ہماری امی اتنی تیز ہوں گی کہ ہماری غیر موجودگی میں ڈبے کو میز سے نامعلوم مقام پر منتقل کر دیں گی۔ اب ہمیں سب سے پہلے اس نامعلوم مقام کی تلاش تھی۔ سو ہم نے شروع کر دی۔ آخر کافی جدوجہد اور مسلسل محنت کے بعد ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ ہمارے برآمدے کی الماری کے سب سے بلند خانے میں ڈبے صاحب آرام فرما رہے تھے۔

اب مسئلہ الماری کی اوپر والی کنڈی کھولنے کا تھا اس کے لیے ہم نے کرسی کی مدد حاصل کرنا مناسب سمجھا، مگر کرسیاں جس کمرے میں تھیں اسی میں ابائی تھے، لہٰذا ہم فکرمند تھے ہی کہ سامنے سے گڈو آتا نظر آیا۔ ہم نے اس کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا، "بھئی گڈو ایسا کرو تم مرغا بن جاؤ میں تمھارے کندھوں پر چڑھ کر کنڈی کھولوں گا۔" یہ سن کر گڈو شرط کے ساتھ راضی ہوگیا۔ ابھی ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں سامنے سے نیلو آتی نظر آئی۔ اسے دیکھتے ہی ہم نے مضمون بدلا اور گڈو سے اس کی پڑھائی کے متعلق دریافت کرنے لگے۔ مگر نیلو فوراً بولی، "بھئی کیا بے وقوف بنانے کو میں ہی رہ گئی ہوں۔" یہ سن کر تو جیسے ہمارے پیروں تلے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔ وہ تو شکر ہوا کہ نیلو بھی اس شرط پر کہ اس کو بھی حصہ ملے گا بات کو خفیہ رکھنے میں راضی ہوگئی۔

اب ہم اکیلے نہیں تھے اس ڈبے کے تین حصے دار بن چکے تھے۔ اس سے پہلے کہ حصے داروں میں مزید اضافہ ہو ہم نے وقت ضائع کیے بغیر گڈو کو جھکنے کا اشارہ کیا۔ مگر جیسے ہی ہم اس کی پیٹھ پر سوار ہوئے کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ ہم نے نیلو کو اشارہ کیا کہ وہ دیکھے کون ہے۔ اتنے میں ہم گڈو کی پیٹھ پر چڑھ چکے تھے۔ اب ہمارا ہاتھ

کُنڈی تک جانے کی سر توڑ کوشش میں مصروف تھا کہ گڈو کہنے لگا، "جلدی کرو بھئی، میری پیٹھ ہے کوئی اونٹ کا کوہان نہیں۔" ہم نے کہا، "صبر کرو اور ذرا سا اُچکو۔" بس پھر کیا تھا گڈو ذرا زیادہ اُچکا اور ہمارا پیر پھسلا۔ وہ تو شکر ہے کہ ہم نے الماری کی چوکھٹ پکڑ لی ورنہ ہم تو تقریباً گر ہی چکے تھے۔ ہم نے گڈو کو ڈانٹا کہ اتنا اُچکنے کو کس نے کہا تھا۔ ذرا سا جُھکو۔ گڈو صاحب ذرا زیادہ جُھکے۔ ہم نے فوراً گڈو کی گردن پکڑ لی، ورنہ ہم اس وقت اوندھے منھ فرش پر پڑے ہوتے۔ ابھی ہم پوری طرح سنبھلے ہی تھے کہ نیلو آتی نظر آئی۔ ابھی ہم نیلو سے پوچھنے والے ہی تھے کہ گیٹ پر کون تھا کہ نیلو کے پیچھے سے ہمارے ننّھے بھائی حبیب جنھیں ہم پیار سے بتّو بھی کہتے ہیں، نمودار ہوئے۔ ببو اسکول کی یونیفارم میں ملبوس بستہ کندھے پر لٹکائے ہوئے تھے۔ ہم نے بتّو کو ٹالنے میں ہی اپنی خیریت جانی۔ ہم نے کہا، "بیٹے بتّو، جائیے اپنا لباس اتاریے، بستہ رکھیے" مگر صاحب بتّو ہمارے گھر میں سب سے چالاک ہستی تصور کیے جاتے ہیں۔ جھٹ بول پڑے، "ارے بھائی جان! کیا آپ گھوڑا گھوڑا کھیل رہے ہیں جو گڈو کے کندھے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

اسی دوران گڈو نے احتجاج کرنا شروع کر دیا کہ بھئی جلدی کرو میری پیٹھ.... اچھا صبر کرو، ہم نے حوصلہ دیا۔ بس پھر بتّو کو بچہ سمجھتے ہوئے ہم اپنے کام میں مصروف ہو گئے اور ایک مرتبہ پھر اپنی سی کوشش جاری رکھی۔ اب کے ہمارا ہاتھ کنڈی تک جا لگا تھا۔ بتّو نے شور مچانا شروع کر دیا کہ مجھے بھی بتاؤ یہ کیا ہو رہا ہے۔ آخر جھک مار کر اسے بھی حصے دار بنا کر چپ کرانا پڑا مگر بتّو ضدی تھا اس نے کہا کہ میں تو تین گلاب جامنیں لوں گا۔ آخر ہمیں بھی ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اتنے میں کنڈی کھل چکی تھی مگر ڈبّا اب بھی ہماری گرفت سے خاصا دور تھا۔ ہم نے الماری کے خانے پر اپنا ہاتھ جما دیا۔ اب ہماری ٹانگیں گڈّو کی پشت سے الگ ہو چکی تھیں اور ہم گھنٹے کے پنڈولم کی طرح ہل رہے تھے۔ ہماری ٹانگیں گڈو، نیلو اور بتّو نے ہاتھوں سے پکڑ لی تھیں اور ہمارا ہاتھ قریب قریب ڈبّے تک جا لگا تھا۔ اب ہم نے ڈبے کو اپنی انگلیوں سے آہستہ آہستہ سرکانا شروع کیا۔ ادھر نیچے سے تینوں مسلسل پوچھے جا رہے تھے کہ اب کتنا دور ہے۔ اب کتنا رہ گیا۔ آخر ڈبّا ہمارے ہاتھ میں تھا۔ ہمارے جسم میں ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ ہم آہستہ آہستہ نیچے اُتر رہے تھے۔ نیچے اتر کر ہم نے ڈبّا کھولنا شروع کیا۔ تینوں بھی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ ڈھکن ہٹتے ہی سب سے پہلے ببو نے ہاتھ مارا اس کے ساتھ ہی نیلو اور گڈو جھپٹ پڑے۔ ابھی ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ تینوں نے اس زور سے حملہ کیا۔ بتّو نے تین کے بجائے پانچ گلاب جامنوں پر ہاتھ مارا۔ نیلو اور گڈو بھی پیچھے نہ تھے۔ چار چار ان کے حصے میں آئیں۔ ہم تو ابھی اپنی سانس بھی ٹھیک نہیں کر پائے تھے جو ہمارے الماری تک چڑھتے چڑھتے چڑھ گئی تھی۔ جب کچھ ہوش سنبھالا

تو ڈبّا خالی تھا۔

اگرچہ ڈبّے میں مٹھائیوں کا شیرا موجود تھا، لیکن یہ مٹھائی سے کُلّی طور پر پاک ہو چکا تھا۔ جب ہم نے ان تینوں کی طرف دیکھا تو مٹھائیاں ان کے ہاتھوں سے کچھ تو ان کے منہ اور نصف سے زائد ان کے پیٹ میں منتقل ہو چکی تھیں بلکہ ایسا لگ رہا تھا کچھ مٹھائی تو معدے میں جا کر خون میں تبدیل ہو چکی ہو گی۔ ہمیں سخت غصہ آ رہا تھا۔ آخر بچا ہوا شیرا ہی ہم نے چاٹنا شروع کر دیا۔ کچھ اس انداز سے چاٹا کہ ہمارا سارا ہاتھ گھی میں لت پت تھا اور خالی ڈبّا ہمارا منہ چڑا رہا تھا، مگر ہمارا غصہ اب کچھ ٹھنڈا ہو چکا تھا، کیوں کہ آج ہماری پانچوں انگلیاں گھی میں تھیں۔

چالاک کاری گر

محمد شہاب الدین، اسلام آباد

پرانے زمانے کی بات ہے۔ جاپان کے ایک شہر میں ایک امیر آدمی رہتا تھا۔ اسے جانوروں کی مورتیاں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اس کے پاس بہت سے جانوروں کی مورتیاں تھیں، لیکن چوہے کی نہیں تھی۔ ایک روز اس نے دو کاری گروں کو بلایا اور کہا، "تم دونوں ایک ایک چوہا بناؤ مگر بالکل اصلی معلوم ہوں۔ میری بلّی بھی دیکھے تو دھوکا کھا جائے اور اسے سچ مچ کا چوہا سمجھ کر اس پر جھپٹ پڑے۔ میں دونوں چوہے پاس پاس رکھ دوں گا اور جس چوہے پر بلّی پہلے جھپٹے گی، اس کے بنانے والے کو اشرفیوں کی تھیلی دوں گا۔"

کاری گر اپنے اپنے گھر جا کر کام میں لگ گئے۔ کچھ دن بعد وہ دونوں امیر آدمی کے پاس آئے اور اپنا اپنا بنایا ہوا چوہا پیش کیا۔

ایک کاری گر نے لکڑی کا ایک خوب صورت چوہا بنایا تھا جو دیکھنے میں بالکل اصلی اور جیتا جاگتا معلوم ہوتا تھا، لیکن دوسرے کاری گر کا چوہا اتنا اچھا نہیں تھا۔ جو بھی اسے دیکھتا، ہنسنے لگتا۔

امیر آدمی نے دونوں چوہوں کو دیکھا اور کہنے لگا، "یہ لکڑی کا چوہا بہت اچھا ہے لیکن اس چوہے کو تو چوہا کہا نہیں جا سکتا۔ یہ نہ جانے کیا بلا ہے۔"

یہ سن کر کاری گر نے کہا، "جناب! آپ بلّی کو لائیے وہ خود فیصلہ کرے گی کہ دونوں میں سے کون سا چوہا اچھا ہے۔"

امیر آدمی نے دونوں چوہے پاس رکھ دیے اور بلّی کو بلایا۔ جیسے ہی بلّی کمرے میں داخل ہوئی وہ دوسرے کاری گر کے بنائے ہوئے چوہے پر جھپٹی۔ اس نے اس خوب صورت چوہے کی طرف دیکھا بھی نہیں جو پہلے کاری گر نے بنایا تھا۔ امیر آدمی نے اس کاری گر کو اشرفیوں کی تھیلی دے دی۔

اس کے بعد اس نے اس کاری گر سے جس کا بنایا ہوا چوہا اچھا نہیں تھا، اس کی وجہ پوچھی کہ تمھارے چوہے پر بلّی کیوں جھپٹی؟ تو کاری گر نے کہا، "میں نے چوہا لکڑی کے بجائے سوکھی مچھلی سے بنایا تھا اس لیے بلی اس کی خوش بو کی وجہ سے اس کی طرف لپکی تھی۔" امیر آدمی اس کی عقل مندی پر بڑا خوش ہوا۔

قارئین کی عدالت

● نونہال ادیب میں صفحہ نمبر ۹۲ پر مرسلہ: محمد ابراہیم چوہان روہڑی کے نام سے چھپنے والے مضمون "ایثار کی معراج" میں یہ جملہ لکھا ہوا ہے: "ابوبکرؓ دیواروں کو خوب ٹٹول رہے تھے۔ اسماءؓ جو آپ کی زوجہ ہیں۔"

جب کہ حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ آپ کی صاحب زادیاں اور آپ کی زوجہ حضرت اُمّ رومانؓ تھیں۔ سعدیہ راحت، اسلام آباد

> حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایک زوجہ اور ایک بیٹی کا نام اسماء ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ بیٹی حضرت اسماءؓ۔ ان کی والدہ کا نام قُتَیلہ تھا۔ زوجہ حضرت اسماءؓ۔ ان کے والد کا نام عُمَیس تھا۔

● میرا بہت ہی گہرا دوست جمیل احمد کھوکھر آج سے ایک ہفتہ قبل ٹریفک کے ایک حادثے میں انتقال کر گیا۔ وہ ہر ماہ نونہال باقاعدگی سے پڑھتا تھا۔ جب کبھی بھی نونہال ذرا لیٹ ہوتا تو وہ بڑا پریشان نظر آتا تھا۔ جب اُس کو نونہال مل جاتا تو پہلے وہ نونہال پڑھتا اور بعد میں دوسرے کام کاج کرتا۔ اُس نے تقریباً ۱۰ سال اور ۴ ماہ تک نونہال خریدے اور پڑھے۔ آپ سے التماس ہے کہ تمام پاکستان کے نونہالوں سے کہہ دیں کہ جمیل احمد کھوکھر کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔

اعجاز احمد اور رکن عالم، ڈیرہ اسماعیل خان

● کیا کہانی بھیجنے کی تاریخ بھی وہی ہے جو سوالوں کے جوابات بھیجنے کی تاریخ ہے۔ نجم الزماں، کراچی

کہانی جب چاہیں بھیج دیں، لیکن اچھی ہو۔

● اب معلومات عامہ کے جوابات بہت کم آرہے ہیں میں نے بھی کوشش نہیں کی۔ آپ سوالات ذرا آسان دیا کریں تاکہ نونہالوں کو دقت نہ ہو۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ حبیب الرحمٰن ہاشمی، تہکال پایاں پشاور

● یہ میرا آخری خط ہے۔ اگر شائع نہ ہوا تو نونہال سے اپنا تعلق توڑ دوں گا۔ محمد جمیل خان ترک اور خواج محمد عباسی، پھر باڑی۔

> لو بھئی! تمھارا خط چھپ گیا ہے۔ اب نونہال سے تعلق نہ توڑیے۔

● رسالے کے سرورق پر نظر پڑتے ہی سرورق کی کہانی پڑھنے کے لیے دل بے چین ہو گیا۔ شہلا ارم، کراچی

● ہمدرد نونہال میں اہم شخصیات کے انٹرویو اور مختلف قسم کے سروے شامل ہونے چاہییں۔ اس کے علاوہ ہر مہینے اسلام کی کسی اہم شخصیت کے بارے میں مضمون بھی شائع ہونے چاہییں۔ کسی ایک سبزی یا پھل کے طبی خواص اور کسی سائنسی ایجاد کی کہانی بھی ہر ماہ چھپنی چاہیے۔

کامران بلوچ منم، اوکاڑہ

> آپ نے جو تجویزیں پیش کی ہیں، ان کے مطابق مضمون نونہال میں ضرورت کے مطابق چھپتے رہتے ہیں۔

● حجام کی چالاک بیوی، حماقت اور ندامت، روشنی، اور چالاک گیدڑ بہت پسند آئیں۔

سلیمہ زیدی اور ماریہ زیدی، کراچی

● نونہال ایک بہترین رسالہ ہے۔ ہماری حساب کی ٹیچر ہمیں تلقین کرتی ہیں کہ ہم نونہال رسالہ پڑھا کریں۔

فوزیہ محمد ایوب، کراچی

● رسالہ بہترین ہے۔ اسد رحمان، ساہی وال

• علامہ دانش کے سفرنامے بہت اچھے تھے۔
جاوید علی مہراٹی، ہوسٹری

• مجھے نونہال بہت پسند ہے۔ اسی لیے توشوق سے پڑھتی ہوں۔ سحرافشاں، خیرپور

• میرا دل چاہتا ہے کہ سارے نونہال اپنے شوکیس میں سجالوں۔ محمد اعظم سلیم خاں، کراچی

• یہ ایک مفید اور اچھا رسالہ ہے۔ اس میں بہت سی اچھی باتیں ہیں۔ میمونہ ستار، گوجرہ

• نونہال ادیب میں مضمون "انسان اور حیوان میں فرق" (بیناقریشی، کراچی) نے اردو کی آٹھویں کتاب سے نقل کرکے بھیجا ہے۔ سنیل کمار، سکھر

• جاگو جگاؤ، عقل مند خلیفہ (طالب ہاشمی) تحفے، چالاک گیدڑ، بہادر کون اور حماقت اور ندامت خوب تھیں۔
ارشد حسین قریشی، فیصل آباد

• تازہ شمارہ خوب صورت سرورق اور دل چسپ اور سبق آموز کہانیوں اور عمدہ نظموں کے ساتھ بہت پسند آیا۔
وسیم خاں، کوٹری

• تمام تحریریں شان دار تھیں۔ لطائف بے انتہا مزے دار تھے۔ فخرالدین، لیاقت آباد

• اس مرتبہ رسالے کا سرورق عمدہ تھا۔
ن۔م۔ تسنیم، کھلابٹ ٹاؤن شپ

• اس دفعہ کی کہانیوں میں "موت کے سوداگر" بہت اچھی لگی۔ آصف رفیق کامران، کراچی

• سرورق حسب معمول اچھا تھا لیکن آپ نے سرورق کو نیلا رنگ دیا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ سرخ رنگ ہوتا۔
رضوان احمد، محمد عالم، افتخار علی، ڈگری

• جون کا شمارہ بہت پسند آیا۔
حامد رضا شاہ، تحصیل تلہ گنگ چکوال

• کہانیاں تمام اچھی تھیں۔
امداد حسین بلوچ، شہداد کوٹ

• سگتے سوال ایک اچھی اور سبق آموز تحریر تھی۔ لطیفے بھی معیاری تھے۔ ثمینہ مقبول، کراچی

• اس دفعہ کا سرورق بالکل پسند نہیں آیا۔
احمر محمود، کراچی

• سب کہانیاں غرض کہ ہر چیز بہت اچھی تھی۔
اشفاق احمد راں، بھکر

• جون کا نونہال بہت پسند آیا۔ سب کہانیاں اچھی تھیں۔
محمد انور فراز، پسنی

• جوں ہی سرورق پر نظر پڑی مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگے۔ سرورق کی کہانی پڑھ کر پسینے چھوٹ گئے۔ کہانیوں میں حجام کی چالاک بیوی، روشنی، چالاک گیدڑ پسند آئیں۔ جناب معراج کی کہانی موت کے سوداگر بہت بور تھی۔ ثناء اللہ، سلوئی

• جناب حکیم محمد سعید کی باتیں بہت اچھی ہوتی ہیں۔
افشاں نذیر، کراچی

• ماہ جون کا رسالہ بڑی امیدوں کے ساتھ کانپتے ہوئے ہاتھوں اور دھڑکتے ہوئے دل سے کھولا، مگر یہ کیا؛ تین کہانیاں نقل شدہ۔ لمبی کہانیوں میں حماقت اور ندامت اور چالاک گیدڑ۔ اس کے علاوہ نونہال ادیب میں سچا لڑکا ان تینوں کہانیوں کا ایک ایک لفظ نقل شدہ تھا۔ باقی کہانیاں اپنی مثال آپ تھیں۔
سجاد احمد سجاد، کامل پور موسیٰ

• سبق آموز مضمون سگتے سوال (رشا زبیہ ستار نایاب) نے بہت متاثر کیا۔ سید وجاہت علی، کراچی

• خاص طور پر حجام کی چالاک بیوی، سرورق کی کہانی اور لطائف پسند آئے۔ روبی اسلم

• جون کا نونہال بہت مزے دار تھا۔
جبر اسدف، خضدار

• ہمدرد نونہال رسالہ پاکستان کے تمام رسالوں میں سب سے اچھا ہے۔ سید حیدر عباس، بہاول نگر

● جنگلی حیوانات بہت معلوماتی سلسلہ ہے۔
سید دانش علی زیدی، سید زبیر علی زیدی، ڈگری

● عقل مند خلیفہ، چالاک گیدڑ اور معلوماتی مضمون فاس (ثمر جہاں) اچھا تھا۔ عامر مقبول، کراچی

● نظم پیٹو خاں پسند آئی۔
عامر فیروز، میانی تحصیل بھلوال

● حجام کی چالاک بیوی (شمشاد احمد خاں) بہت اچھی کہانی تھی۔ عارف اقبال، کراچی

● سرورق بہت خوب صورت اور دل کش انداز سے اپنے اندر قیمتی کہانیاں لیے کتابوں کی دُکان پر اپنے نونہال ساتھیوں کو آوازیں دے رہا تھا۔
نزہت رضوی، کراچی

● جاگو جگاؤ کی تعریف کریں یا نہ کریں یہ تو بہرحال اپنی رفعت پہ ہے۔ فیض رسول انجم، آبدی شریف

● جون کے شمارے میں کہانی گھوڑی کا انڈا، جو کہ منصور اختر نے عرکوٹ سے بھیجی تھی نقل شدہ تھی۔ باقی سب کہانیاں بہت پسند آئیں۔ شازیہ منیر، کراچی

● میں دو مہینوں سے نونہال پڑھ رہی ہوں۔ اس میں بہت سی معلومات، چٹ پٹے لطیفے اور خوب صورت تصاویر شائع ہوتی ہیں۔ لبنیٰ گذدر

● اب نونہال کے ٹائٹل بھی اچھے ہو گئے ہیں۔
سید آصف رضا نقوی، کشمور

● میں یہ رسالے بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔
رخسانہ شیخ، لطیف آباد

● خیال کے پھول بہت پسند آئے۔
محمد شہاب سومرو، جھٹ پٹ

● خیال کے پھول، ہمدرد انسائیکلو پیڈیا اور طب کی روشنی میں ہمیشہ کی طرح تروتازہ تھے۔
غلام سعید صدیقی، کراچی

● نونہال صرف کہانیوں کا رسالہ نہیں ہے بلکہ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی ایک پڑھنے والے کو ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں جہاں تفریح کے لیے کہانیاں ہوتی ہیں وہاں نظمیں، نصیحت اور معلومات بھی ہے۔
سیمیں بدر ملک، کراچی

● کہانی روشنی (میرزا ادیب) بہت پسند آئی۔
شبیر حسین بلتستانی، کراچی

● حجام کی چالاک بیوی، روشنی اور موت کے سوداگر اچھی کہانیاں ہیں۔ عدنان سلیم، کوٹلی نوہاراں

● جون کا شمارہ بہت پسند آیا۔
اللہ بچایو، حیدرآباد

● کہانیوں کا چناؤ نہایت ہی منفرد اور اچھا تھا نظمیں بھی معیاری تھیں مگر صرف نونہال ادیب میں بیناقریشی کا مضمون "انسان اور حیوان میں فرق" اور منصور احمد کی کہانی "گھوڑی کا انڈا" نقل شدہ تحریر تھیں۔ محمد اقبال، اورنگی ٹاؤن

● لطیفے پرانے تھے۔
نور جہاں شاہ لکیاری، شہداد پور

● رسالے کا سرورق بھی عمدہ تھا۔ سید عمران علی شاہ اور سید ندیم علی شاہ، پشاور

● ملک اور دارالحکومت کے ایک نام کے ذریعہ سے ہمیں بہت ہی اچھی معلومات پہنچائی گئی۔
محمد احمد خانزادہ، لطیف آباد

● مستقل سلسلوں میں معلومات عامہ اور خیال کے پھول بھی بہت اچھے ہیں۔ الطاف رضا، کراچی

● جون کا شمارہ زبردست تھا۔
الماس محبوب، شمالی کراچی

● آپ توضیحی خطوط بعد میں دیا کریں۔ پہلے جواب طلب خطوط شائع کیا کریں۔ جمیل الدین، کراچی

● لطیفے بہت ہی پسند آئے۔
شارز شیخ، خیرپور میرس

● کہانیاں مزے دار تھیں۔ عصمت حریم، ٹنڈو الہیار

● میری چھوٹی بہن جو کہ چوتھی جماعت میں ہے اور دوسری بہن اور بھائی وغیرہ نونہال بہت ہی پسند کرتے ہیں۔ ان کی فرمائش پر میں نے ان کی طرف سے نونہال کی تعریف میں چند جملے لکھنا پسند کروں گی کہ نونہال انھیں بہت پسند ہے۔ انھیں جتنے پرانے رسالے ملتے ہیں یہ لوگ شوق سے پڑھتے ہیں۔ آپ سے درخواست یہ ہے کہ آپ نونہال میں بچوں کو یہ تاکید کیجیے کہ یہ لوگ دیواروں پر نہ لکھا کریں۔ نجمہ نور، شروت شہلا، حیدرآباد

واہ وا، تم نے کتنی اچھی بات لکھی ہے، مگر اچھے نونہال دیواروں پر کب لکھتے ہیں، جو میں ان کو تاکید کروں، وہ تو کاغذ پر لکھتے ہیں۔

● اس دفعہ کا ہراوّل نمبر یعنی خاص نمبر سے پہلے آپ ہراوّل نمبر یا عام نمبر نکالتے ہیں نا تو جناب بہت ہی پسند آیا۔ شیریں پروین، کراچی

● اپنی کوئی کہانی یا لطیفہ نظر نہ آیا۔ دکھ تو بہت ہوا۔ میری یہ سب سے بڑی خواہش تھی کہ میرا نام نونہال کے خاص نمبر میں شائع ہو۔ خیر کوئی بات نہیں اس دفعہ نہ سہی اگلی دفعہ سہی۔ خاص نمبر کے ساتھ "آٹوگراف بک" کا تحفہ پاکر بے حد خوشی ہوئی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس پر جناب حکیم محمد سعید صاحب اور آپ کے دستخط ہوتے سب سے پہلے جناب حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ پڑھا۔ ہمیشہ کی طرح قابلِ قدر تھا۔ پہلی بات پڑھی۔ جناب احسان خلیل کا مضمون "سیرتِ پاک۔ مختصر مختصر"۔ بے حد مختصر اور اچھا تھا۔ جناب شان الحق صاحب کی نظم "دیو کی بُنکار" اور جناب قمر ہاشمی صاحب کی "ریل" بہت پسند آئیں۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب کا مضمون "گاما۔ رستم زماں"! بہت مزے دار تھا۔ کہانیوں میں "کاغذی رُپیہ" "چاندی کے پاؤں" "سلوک" اور اندھیر نگر بہت معیاری تھیں۔ گلی وَر کے تین حیرت انگیز سفر بہت طویل اور اچھی تھی۔ جناب منیر صدیقی صاحب نے تصویریں بڑی محنت سے بنائیں تھیں اور جناب مشتاق صاحب کے کارٹون بھی زبردست تھے۔ وسیم عباس، سیال کوٹ

شاباش! مایوس نہیں ہوتے۔ محنت ایک نہ ایک دن پھل لاتی ہے۔

● تحفے میں عظمیٰ ناہید کا بھیجا ہوا شعر بے حد پسند آیا۔ ظہور احمد، مسعود شہزاد، ملک انور، ملک قیوم ناز، ملک عرفان، گھوگھیاٹ

● میں نے کئی مہینوں سے قلمی دوستی کرنی چاہی، لیکن جواب نہ ملا۔ نجیب حسن، سانگھڑ

● خیال کے پھول میں نے ڈائری میں اُتار لیے۔ سرورق اچھا تھا۔ روشنی، چالاک گیدڑ، حجام کی چالاک بیوی، حماقت اور ندامت اور علامہ دانش کا سفرنامہ میں "موت کے سوداگر" اچھی رہیں۔ افشاں عثمان، ملیر

● جون کا پورا نونہال ہی بہت پسند آیا۔ نجم الصباح، لاہور

● سرورق خوب صورت تھا۔ عظمیٰ سہیل، کراچی

● نونہال ادیب میں مجھے سچا لڑکا کہانی بہت پسند آئی۔ شاہد شفیق، جھڈو

● جناب حکیم محمد سعید کے جاگو جگاؤ سے دل میں مسرتوں کے پھول کھل اُٹھے۔ ان کے پیغام نے ہمارے بند دلوں کے دروازے کھول دیے۔ شاہد عقیل ناگوری، جھڈو

● نونہال کے خاص نمبر سے پہلے عام نمبر پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ غزنان رشید، کراچی

● نونہال ادیب میں نظمیں نقل شدہ ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ اب آپ "اس شمارے کے مشکل الفاظ" میں لفظ کے ساتھ یہ نہیں لکھتے کہ یہ کون سی زبان سے لیا گیا ہے۔ سعدیہ وسیم، تہمینہ وسیم، کراچی

● نونہال میں اب تصویریں اچھی ہوتی جا رہی ہیں۔ روبینہ محمد اسلم، کراچی

● کہانیاں تمام اچھی تھیں۔ نونہال میرا سب سے پسندیدہ رسالہ ہے۔
ناصر سلطان، چکرالہ

● مجھے جاگو جگاؤ بہت پسند ہے۔ جناب حکیم محمد سعید کی نصیحتیں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ میں اور میرے بہن بھائی ان کی ہر نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
زینت عباسی، کراچی

● نونہال ہمیشہ سے ہی میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔
میمونہ حبیب، بہاولپور

● نونہال ادیب میں کہانی گھوڑی کا انڈا (منصور احمد، عمرکوٹ) نقل شدہ تھی۔
فیصل احمد عباسی، عدنان احمد عباسی، جھنگ صدر

● سب سے زیادہ خوشی اس بات سے ہوئی کہ میں نے جو لطیفے بھیجے تھے وہ اللہ کے فضل و کرم سے چھپ گئے۔
عمران ہارون، حیدرآباد

● شکاری اور گرمی کا موسم نظمیں بہت پسند آئیں۔
محمد فاروق اعظم، راول پنڈی

● خاص نمبر کا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ کیوں کہ وہ تو معلومات، تفریحات اور کہانیوں سے مزین ایک گل دستہ ہمیں مل جاتا ہے اور ہم اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔
شہلا میر، جہلم

● کہانیوں میں حجام کی بیوی بہت ہی زبردست تھی۔
ناہید ظہیر، سکھر

● آپ نے میری تحریر سلگتے سوال کو ہمدرد نونہال میں جگہ دی۔ اس حوصلہ افزائی کے لیے میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ آپ کے ارسال کردہ پچاس رُپے اور ہمدرد نونہال کا شمارہ مل گیا ہے بہت بہت شکریہ۔
شازیہ ستار نایاب، لاہور

● مجھے جاگو جگاؤ، خیال کے پھول اور لطیفے بہت پسند آتے ہیں۔
رحمان احمد صدیقی، کراچی

● سرورق کی کہانی تھر تھر کانپنا بہت پسند آئی۔
کنیز فاطمہ مغل، شہدادپور

● مجھے چالاک گیدڑ (محمد اسماعیل بلوچ، کندہ کوٹ) بہت پسند آئی۔
عبداللطیف شاکر، پسنی

● جون کا رسالہ ایک پھول کی مانند تھا۔
سید ناصر امام نقوی، کراچی

● جون کے شمارے میں آپ نے میرا خط شائع کر کے دل خوش کر دیا ہے۔
حافظ محمد جاوید اقبال عباسی، احمد پور شرقیہ

● سائنسی مضمون جنگلی حیوانات (ڈاکٹر منظور احمد) ہمیں بہت پسند آیا۔
شبانہ عبدالغنی، کراچی

اُن نونہالوں کے نام جنھوں نے ہمیں بہت اچھے خط لکھے لیکن جگہ کی کمی کے باعث اُن کے نام دیے جا رہے ہیں۔

کراچی :۔ شازیہ، نازیہ، محمد فرید الدین صدیقی، ارشد، محمد آصف، شہلا، جمیلہ اسماعیل، سیما اسماعیل، ثمینہ اسماعیل، غضنفر مشکور صدیقی، صائمہ ممتاز، طارق حسین، سلمٰی ناز، حافظ محمد بن مالک، محمد رضوان، محمد عزیر غوری، عظمٰی تسنیم، حیدرآباد :۔ سہیل احمد ثاقب، تنویر احمد محمد شاہد خانزادہ راجپوت، نوشاد مہمند۔ سڈھانڈی گاؤں :۔ اورنگ زیب عالمگیر۔ قادر پور راں :۔ محمد ارشد صابر۔ سانگھڑ :۔ واجد علی زرگر احمد۔

صوابی :۔ شہریار، حسن ضیا، الطاف احمد۔ لاوہ :۔ حامد علی شاہد، افتخار احمد عمران۔ بھکر: قدسیہ یاسمین۔ بورے والا :۔ سجاد احمد۔ سکھر: محمد عرفان میمن۔ فیصل آباد :۔ اویس عزیز شیخ، محمد طاہر شہباز۔ راول پنڈی :۔ یوسف برکت، ساجد علی، نویدہ رؤف۔ ڈیرہ اسماعیل خان :۔ شمائلہ برلاس۔ سامارو :۔ کیلاش کمار۔ اسکردو :۔ محمد انور۔ بھریا شہر :۔ نصیر احمد قریشی۔ مکلی: عقیل احمد۔ جھڈو :۔ شاہدہ خادم۔ رحیم یار خاں :۔ عبداللہ مسعود کو بھر۔

سلسلہ ۲۶۶

معلوماتِ عامہ کے جوابات

۱۔ یروشلم کو حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی حکومت کا پایۂ تخت بنایا تھا۔
۲۔ پاکستان کے اُن وزیر اعظم کا نام خواجہ ناظم الدین ہے جو ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۴ء تک قیام پاکستان سے قبل ہندستان ہاکی فیڈریشن کے صدر رہے۔
۳۔ سکندر اعظم نے اسکندریہ (مصر) کی بنیاد رکھی تھی جو آج تک اس کے نام سے مشہور ہے۔
۴۔ برطانیہ میں ریڈیو اور ٹیلے وژن کا انتظام برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن چلاتی ہے، جس کو عام طور پر بی۔ بی۔ سی کہتے ہیں۔
۵۔ پیشوا مرہٹہ سرداروں کا لقب ہے۔
۶۔ مختصر نویسی (شارٹ ہینڈ) کے بانی کا نام سر آئزک پٹ مین ہے۔
۷۔ دنیا کا سب سے گہرا سمندر بحر الکاہل ہے اور سب سے کم گہرا سمندر بحیرہ بالٹک ہے، جس کی اوسط گہرائی ۱۸۰ فیٹ ہے۔
۸۔ لندن کے اُس گرجے کا نام ویسٹ منسٹر ایبے ہے جہاں برطانیہ کے ہر بادشاہ یا ملکہ کی تاج پوشی ہوتی ہے۔
۹۔ قطب جنوبی براعظم انٹارکٹکا میں واقع ہے۔
۱۰۔ ممتاز شاعرہ محترمہ ادا جعفری پہلے ادا بدایونی کے نام سے شعر کہتی تھیں۔

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

سانگھڑ

محمد امین سیف الملوک	محمد سلیم ملک	شاہد نذیر آرائیں
نعیم احمد یوسف زئی	طلعت مبین لغاری	محمد یونس سنی
	عبدالحمید یوسف زئی	محمد صابر سنی

پرنس محمد اختر یوسف زئی
غلام نبی منصوری
غلام مصطفیٰ لغاری بلوچ

فرید احمد قریشی
زبان غلام انور نازش
ندیم عمر یوسف زئی

غلام رسول پارس

نواب شاہ

محسن رجب علی
یاسین رجب علی
ساجدہ محمد

صدیقہ محمد
انیلا رجب علی
انیلا امتیاز
فرزانہ انجم

ماہرہ عبدالحسین
سکینہ امیر علی
شبیر حسن رجب علی

مختلف شہروں سے :

فیاض احمد سومرو، خیرپور میرس
غیاث احمد صدیقی، کراچی
محمد طاہر آرائیں، سنجھورو

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی :

نگہت نواب
محمود محمد اشرف
اوصاف نقوی
تفسیر نقوی
نرجس خاتون
عشرت نواب
سید فرخ حسن زہری

سیدہ شائستہ زیدی
سید سجاد

خیرپور میرس :

اختر علی
ظفر اللہ شیخ
تنویر احمد صدیقی
صغیر احمد صدیقی

اس شمارے کے مشکل الفاظ

جمعدار	جَ مع دار	جماعت کا امیر، سپاہیوں کا عہدے دار جس کے ماتحت چند سپاہی ہوں، سقا۔
چپقلش	چَپ قَ لَش	لڑائی جھگڑا، تکرار، ردّوبدل، بھیڑ بھاڑ۔
مُنھ کالنوالہ	مُنھ کا نِ وَالا	وہ کام جو بہت آسان ہو۔
وُفور	وُ فُور	کثرت، زیادتی، افراط، بہتات۔
ہانک	ہانک	آواز، پکار، للکار، چلّاہٹ، غُل شور، ہانکا۔
بٹائی	بَ ٹا ئی	تقسیم، بٹوارا، پیداوار کی وہ تقسیم جو اجارہ دار اور زمین کے مالک کے درمیان قرار پائی ہو۔
تہنیت	تَہ نِی یَت	مبارک باد
چھچھورا	چھ چھُو رَا	پیٹ کا ہلکا، کم ظرف
خمیر	خَ مِی ر	آٹا گوندھ کر کچھ عرصے تک گرمی میں رکھ کر ترش کر لیتے کو خمیر کہتے ہیں، سرشت، مٹی، جسم کی مٹی۔
دُھول	دُھول	گرد، خاک، راکھ
دَھول	دَھول	چانٹا، تھپڑ، دھپ، نقصان، خسارہ۔
چک پھیری	چک پھے ری	چکر باندھ کر پھرنا، دائرے میں گردش کرنا۔
مشعل	مَش عَل	ایک قسم کی شمع جو لکڑی کے کنارے پر تیل میں تر کیے کپڑے باندھ کر جلائی جاتی ہے۔
نوبت	نَو بَت	کسی چیز کا وقت، باری، نقارہ، مہلت۔
من وعن	مِن وَ عَن	حرف بہ حرف، مفصّل، ہُوبہو، جُوں کا تُوں۔
سیّال	سَیّال	رواں، بہنے والا، رقیق، پتلا جیسے پانی وغیرہ۔
عقدہ	عُق دَہ	گرہ، مشکل بات، پیچیدہ مسئلہ۔
شگاف	شِ گاف	چیرا، درز، جھری،

مِسواک

ہمدرد انٹرنیشنل ٹوتھ پیسٹ

درخت پیلو/مِسواک کی بہ حیثیت محافظِ دنداں سب سے پہلے غیبی دریافت ارضِ قرآن اور مطلعِ اسلام مدینۂ منورہ میں ہوئی اور پھر عہد بہ عہد متعدد تہذیبوں نے اور مختلف ثقافتوں نے مِسواک کی سُنّت اور بے انتہا افادیت سے ہمیشہ فیض پایا ہے۔ آج کہ سائنس انکشافات کی عظمتوں کو پا رہی ہے اور انکشافات کی رفعتوں کو چھو رہی ہے، عصری سائنس نے مسوڑھوں کی صحت اور دانتوں کی حفاظت کے لیے پیلو/مِسواک کی افادیت کی بہ ہمہ وجُوہ تائید کی ہے۔

ہمدرد کو یہ امتیاز حاصل ہوا ہے کہ اس نے بہ ہمہ تحقیقاتِ سائنسی محافظِ دنداں درخت پیلو/مِسواک سے اپنی سائنسی لیبوریٹریوں میں پہلے ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تیار کیا اور پھر اب پیلو فارمولے سے بین الاقوامی ٹوتھ پیسٹ 'مِسواک' پیش کیا اور تمام دنیا کے لیے حفاظتِ دنداں کا سامان کیا۔

مِسواک

ہمدرد انٹرنیشنل ٹوتھ پیسٹ

پیلو کے بڑے سائز کے طور پر اب پاکستان میں مِسواک بھی دستیاب ہے۔

ہمدرد

اَدارۂ اخلاق

پاکستان سے محبت کرو - پاکستان کی تعمیر کرو

ہمدرد
نونہال
اگست ۱۹۸۸
رجسٹرڈ ایم نمبر ۶۹

لیور برادرز کا
بلوبینڈ مارجرین
لذت ہی لذت ۔ توانائی ہی توانائی